साहित्य

صمد میر

موتی لال ساقی

ہندستانی
ادب کے
معمار

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

صمد میر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہندوستانی ادب کے معمار

صمد میر

مُصنّف

موتی لال ساقی

مترجم

برج پریمی

ساہتیہ اکادمی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سرورق کے آخری صفحہ پر سنگ تراشی کے جس نمونے کی تصویر دی گئی ہے، اس میں تین جیوتشی بھگوان بدھ کی ماتا مہارانی مایا کے خواب کی تعبیر بیان کر رہے ہیں۔ اور ان کے نیچے ایک کاتب بیٹھا ان کی تعبیر قلمبند کر رہا ہے۔
یہ شاید ہندستان میں لکھنے کے فن کی قدیم ترین تصویری مثال ہے۔

(ناگ ارجن کونڈ۔ دوسری صدی عیسوی)

(بشکریہ نیشنل میوزیم، نئی دلی)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہندوستانی ادب کے معمار

صمد میر

مصنف

موتی لال ساقی

مترجم

برج پریمی

ساہتیہ اکادمی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

Samad Mir : Urdu translation by Braj Premi of Moti Lal Saqi's monograph in Kashmiri. Sahitya Akademi, New Delhi (1992),

SAHITYA AKADEMI
REVISED PRICE Rs. 15-00

© ساہتیہ اکادمی

پہلا ایڈیشن : ۱۹۹۲ء

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس

رویندر بھون، ۳۵۔ فیروز شاہ روڈ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
سیلس آفس: 'سوانی' مندر مارگ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

علاقائی دفاتر:

جیون تارا بلڈنگ۔ چوتھی منزل، ۲۳ اے/۴۴ ایکس۔ ڈائمنڈ ہاربر روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۵۳
۱۷۲، ممبئی مراٹھی گرنتھ سنگھرالیہ مارگ، دادر۔ بمبئی ۴۰۰۰۱۴
۲۹، ایلڈامس روڈ۔ تینام پیٹھ، مدراس ۶۰۰۰۱۸

SAHITYA AKADEMI
REVISED PRICE Rs. 15-00

مطبوعہ: اے۔ ون آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی ۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ترتیب

	صفحہ نمبر
ابتدائیہ	۷
حیات	۸
شاعری	۲۷
منتخب کلام	۶۹
کتابیات	۷۹

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ابتدائیہ

صمد میر میرا محبوب شاعر ہے۔ میں اُس کی شاعری کی شبنمی چھاؤں میں جوان ہوا ہوں۔ میرؔ کے سرمدی نغمے روح کا رقص اور کچھ کھو جنے اور پانے کا آنند لیے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ صوفی شاعری (جس میں، میں لل واکھ اور شیخ العالم کے اشلوک بھی شامل کرتا ہوں) ہمارے ادب کا بڑا قیمتی اور دیرپا سرمایہ ہے۔ اسی سرمایے کی بعض چیزیں انمول ہیں اور اسی سرمایے میں سے چھان پھٹک کے بعد بعض ایسی چیزیں دستیاب ہوں گی جنھیں ہم عالمی ادب کے مقابلے میں رکھ سکتے ہیں۔

زیرِ نظر مونوگراف عام قاری کے لیے ہے۔ میں نے فلسفیانہ باریکیوں میں جانے سے ممکنہ حد تک احتراز کیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ مونوگراف کے مطالعہ سے ادبی مورخ یا نقاد نا امید ہوگا۔ کتاب میں اس کے غور و فکر کا بھی سامان موجود ہے۔

میں آخر میں ساہتیہ اکیڈمی کے سیکریٹری شری اندر ناتھ چودھری اور کشمیری مشاورتی کمیٹی کے کنوینر جناب غلام نبی گوہر کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ انھوں نے مجھے مونوگراف لکھنے کا کام سونپا اور میرے اُس خواب کی تعبیر فراہم کی جو میں نے بہت عرصہ پہلے دیکھا تھا۔ میں ان دوستوں کا بھی شکرگزار ہوں جن کی کتابوں سے مجھے یہ مونوگراف لکھنے میں مدد ملی۔ اس مونوگراف کی خاص بات یہ ہے کہ میرؔ کی حیات کے بعض پوشیدہ گوشوں کی دریافت کے علاوہ ان کا کچھ غیر مطبوعہ کلام پہلی بار منظرِ عام پر آرہا ہے۔ یہ مونوگراف کسی بھی شاعر پر کشمیری زبان میں لکھا ہوا پہلا مونوگراف ہے اور اس اعتبار سے ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مہانور

۱۷ اپریل ۱۹۸۶ء

موتی لال ساقی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حیات

۱۹۵۶ء

جشن کشمیر : ہر طرف چہل پہل تھی۔ لگتا تھا سارا کشمیر خوشی سے جھوم رہا ہے۔ چاروں طرف رقص و سرود تھا۔ بھانڈوں کے کھیل تماشوں اور روف کے نغموں سے ساری فضا گونج رہی تھی۔ بھانگڑا ناچنے والوں کی ٹولیاں جموں شہر سے مدعو کی گئی تھیں۔ جگہ جگہ لوگوں کے ٹھٹھ پنجاب کے اس لوک رقص کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ اردو کے قدآور شعراء مدعو کیے گئے تھے اور شہرہ آفاق قوّال بھی۔

جشن کشمیر کی ایک تقریب کے بطور ایک دن شبِ شالیمار منعقد کی گئی۔ یہ ایک یادگار شب تھی۔ چاروں اور گہما گہمی تھی۔ شالیمار باغ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ سارا ماحول نور کی چادر کی مانند تھا جیسے سورگ زمین پر اُتر آیا ہو۔ شالیمار کی سب سے اونچی بارہ دری مغل دلہن کی طرح سجائی گئی تھی۔ بارہ دری پر مشاعرہ ہونے والا تھا۔ شاعروں کی آمد کے کچھ بعد بخشی صاحب[1] بارہ دری پر پہنچ گئے۔ عام طور سے بخشی صاحب کی آمد کے ساتھ ہی مشاعرے کی کارروائی شروع ہوتی تھی تاکہ اہلکاروں کو ان کے سامنے اپنی حاضری دینے کا موقع فراہم ہوتا۔ لیکن آج بخشی صاحب کی آمد کے باوجود مشاعرے کی کارروائی میں تاخیر ہو رہی تھی۔ کسی خاص مہمان کی آمد کا

---

[1] بخشی غلام محمد، جو اُس وقت ریاست جموں و کشمیر کے وزیر اعظم تھے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انتظار تھا جس کی خبر ہم نوزائد شاعروں کو نہیں تھی۔ پانچ دس منٹ کے بعد بزرگ شاعروں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کیں۔ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ــ "وہ آگئے ــ اُدھر اس منڈھیر پر پہنچ گئے۔" بخشی صاحب کھڑے ہوئے اور ان کی پیشوائی کے لیے آگے بڑھے۔ ان کا ہاتھ تھامے انھیں بارہ دری تک لے آئے اور خود ان کی بغل میں بیٹھ گئے۔ بارہ دری پر تشریف فرما ہونے والے کے سر پر مخصوص کشمیری ٹوپی تھی، پھرن پہن رکھا تھا اور کاندھوں پر ایک شال تھی۔ خط و خال کسان کے سے تھے اور بظاہر شخصیت کا کوئی امتیازی وصف نہیں تھا۔ دُور سے وہ کوئی متمول زمین دار لگتے تھے مگر مجلس میں موجود سب لوگوں کی توجہ ان ہی کی طرف تھی۔ بخشی صاحب ان سے محو گفتگو تھے۔ ان کی عزت و احترام کا احساس دیکھنے والوں کو اسی لمحے ہوا تھا جب بارہ دری پر بیٹھے ہوئے سبھی لوگ بازو پھیلائے کھڑے ہوئے تھے اور انھیں صدر پر بٹھانے کے لیے جگہ بنالی تھی۔ اسی لیے بارہ دری کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے یا ایستادہ تماشائی بھی انھیں ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے۔ مجھے بھی اس مشاعرے میں مدعو کیا گیا تھا۔ میں نے جب انھیں دیکھا تو پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ یہ صمد میر تھے، کشمیری زبان کے قدآور اور بزرگ شاعر، جن کے نغمے کشمیر کی فضا میں برسوں گونجتے رہتے تھے اور جن کی بزرگی کا شہرہ مراز اور کمراز میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ پہلا اور آخری مشاعرہ تھا جس میں نہ معلوم کیا جان کر انھوں نے شریک ہونا قبول کیا تھا۔ میں بچپن سے ہی انھیں جانتا تھا۔ بارہا انھیں دیکھا تھا۔ میرے نانہال کرمشر میں اکثر کسی نہ کسی بہانے ان سے متعلق باتیں ہوا کرتی تھیں اور سب لوگ کہتے تھے کہ "میر صاحب درویش بھی ہیں اور شاعر بھی۔ ایشور نے انھیں نیک پیدا کیا ہے۔" اس کے بعد ہم بچوں سے کہا جاتا تھا کہ "اگر میر صاحب راستے میں ملیں تو انھیں ضرور نمسکار کرنا۔ بزرگوں کے آشیرواد سے آدمی کا بھلا ہوتا ہے۔" مجھے یہ سب باتیں یاد تھیں اور آج انھیں ایک ٹک دیکھ کر ماضی کے سارے ورق روشن ہوئے۔ میرے نانہال کے پاس ہی رہنے والے مادھورام نامی ایک بزرگ کے یہاں اُن کا اکثر آنا جانا تھا۔ مادھورام اور میر جگری دوست تھے۔ دونوں راہِ اللہ کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مسافر تھے۔ ایک دوسرے کو من کی باتیں بتا کر اپنی بھڑاس نکالتے تھے، کمرے میں گھنٹوں باتیں کرتے رہتے اور آنگن میں کھیلتے ہوئے ہم بچے چپکے سے دیکھتے رہتے کہ آیا وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اُن کی ملاقات بعض اوقات دیر رات تک جاری رہتی اور مادھو رام کی بیوی تلسی دادی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔ مادھو رام کی وفات کے بعد بھی میں نے صمد میر کو تلسی دید کے پاس بارہا آتے دیکھا۔ بھگوان اسے سورگ میں جگہ دے، وہ بہت ہی نیک سیرت خاتون تھیں۔ میر صاحب کی دختر رحمت میرے نانہال کی ہمسائیگی میں شیخوں کے یہاں بیاہی گئی تھی۔ میں نے میر صاحب کو شیخوں کے یہاں بھی کئی بار آتے دیکھا تھا۔ آج بارہ دری پر بیٹھے صمد میر کو دیکھ کر یہ سارا منظر میری آنکھوں کے سامنے آیا۔ مجھے لگا کہ یہ کوئی اجنبی نہیں ہیں، اپنے ہی بزرگ ہیں۔ جن کی سب تعظیم بجا لاتے ہیں۔ میں خوشی سے پھولا نہ سمایا جیسے میں نے کوئی انمول سرمایہ پا لیا ہو۔

مشاعرے میں میر نے پرانا ہی ایک وزن پیش کیا جس پر کسی زمانے میں بڑی لے دے ہوئی تھی اور لوگ انھیں حکم کفر دینے پر کمربستہ تھے کیونکہ میر نے کہا ہے ؎

وہ نہ آکاش پر ہے اور نہ نیچے دھرتی پر
کس سے کہوں کہ وہاں تک تصور کی بھی رسائی نہیں

لیکن ۱۹۵۶ء کا زمانہ مختلف تھا۔ لوگوں نے اُنھیں سالک تسلیم کر لیا تھا اور اُن کی شاعری کو آنکھوں کا سُرمہ بنا لیا تھا۔ اُس دن جب انھوں نے اسی "وزن" کو پیش کیا تو سبھوں نے جی بھر کر داد دی۔ بخشی صاحب میر کو بڑے استعجاب سے دیکھ رہے تھے جیسے انھیں بڑی دولت ملی ہو۔

اس مشاعرے کے بعد ریڈیو والوں نے کسی طرح انھیں ریڈیو اسٹیشن آنے پر آمادہ کیا اور اُن کے ساتھ ایک انٹرویو صدا بند کیا جو اب ریڈیو کشمیر کی آرکائیوز ٹیپ لائبریری میں محفوظ ہے۔ ان دو تقریبوں کے سوا انھوں نے عمر بھر کسی سرکاری یا غیر سرکاری تقریب میں شرکت نہیں کی۔

صمد میر اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ انھیں اپنی حیات میں بڑی شہرت ملی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ شہرت انھوں نے محض شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ اپنی روحانی فضیلت کے باعث بھی حاصل کی لیکن انھوں نے اسے تجارت نہیں بنایا۔ انھوں نے نہ ہی شاعری کا کاروبار کیا اور نہ عبادت اور ریاضت کا۔ اپنی زندگی کی روزمرہ دوڑ دھوپ میں شریک ہونے کے باوجود وہ اپنی راہ کھوجتے رہے۔ عوامی حکومت میں بھی وہ کئی برس تک حیات رہے لیکن کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا اور نہ ہی اپنی خودداری کو چھوڑا۔ مراعات اور ذاتی مفاد کی خاطر کسی دروازے پر دستک نہیں دی۔ ایک سچے قلندر کی طرح زندگی بسر کی۔ چاہتے تو اس طرح کی چیزیں حاصل کرنا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ انھیں شہرت بھی حاصل تھی اور روحانی اعتبار سے بھی۔ اُن کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کی بھی کمی نہ تھی، لیکن انھوں نے خوداعتمادی سے ہر گرداب کو پار کر لیا۔ زندگی کی تاریکیوں میں ہر موڑ پر عزم اور ارادے کا چراغ روشن رکھا۔ وہ اپنی الگ دنیا سجاتے سنوارتے رہے اور کسی کا دست نگر رہنا گوارا نہیں کیا۔ ان کے دور میں کشمیری ادب میں ترقی پسندی کا رجحان زوروں پر تھا۔ ترقی پسند شاعر حیاتِ نو کے خواب لے کر عوامی بیداری کا علم اٹھائے نکل پڑے تھے۔ اپنے مقاصد کی برآوری کے لیے یہ لوگ ہر در پر دستک دیتے۔ امیر لوگ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے کبھی ایک حلقہ کے ساتھ جڑ جاتے اور کبھی دوسری جماعت کا دامن تھام لیتے اور ساتھ ہی اپنی شناخت اور ساخت قائم کرنے کے لیے ایک دوسرے کو ہدفِ ملامت بنا دیتے۔ لیکن صمد میر اس سارے ہنگامے سے دُور اپنے حواس کی دنیا میں محو تھے اور سارے عالم کو شُنیہ میں گم پاتے تھے۔ بیسویں صدی میں صمد میر اور احد زرگر کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے اپنی عظمت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا۔ عظمت کا تعاقب نہیں کیا بلکہ یہ خود ان کی قدم بوسی پر مجبور ہوئی۔ دونوں نے وقتی نظام کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ اپنے حال میں مست رہ کر قلندری کا بھی وقار رکھا اور اپنا بھی۔ آنکھوں کے چراغ جلا کر اور دل کے دریچے وا کر کے زندگی کی راہیں روشن کیں۔ صمد میر کلچرل اکادمی کے قیام کے کچھ بعد ہی اللہ کے پیارے ہوئے لیکن احد زرگر کا یہ کارنامہ ہماری ادبی تاریخ میں ہمیشہ دہرانے کے قابل ہے کہ انھوں نے سرکاری خلعت پر لات

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ماری اور ارباب اختیار کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے خود چھپ گئے کہ کہیں خلعت قبول کرنے کے لیے مجبور نہ ہو جائیں۔ صوفی شاعروں سے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ ایک باقاعدہ اخلاقی نظام کے پابند تھے۔ توکّل کے حامل یہ صوفی دنیاداری سے کوسوں دُور تھے۔ اپنی دنیا کو سنوارنے کے لیے دوسروں پر تکیہ نہیں کرتے بلکہ خود کام کیا کرتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ رشیوں کے بعد صوفی ہی ہماری مخلوط تمدّن کے علم بردار ہیں۔ دنیا داروں نے دُنیا پانے کے لیے مادری زبان پر لات ماری اور بدیش چلے گئے مگر صوفی کشمیری زبان کو پروان چڑھاتے رہے اور اس کے دامن کو انمول لال وگہر سے مالا مال کرتے رہے۔ پڑھے لکھے کشمیری وقت کی آندھی کے ساتھ اُبھرتے ڈوبتے رہے لیکن صوفیوں، سادھوؤں اور درویشوں نے تمدّن کے چراغ ہمیشہ فروزاں رکھے، چاہے وہ ہمارا ہزاروں سالہ قدیم بھائی چارہ تھا، ہمارا لباس تھا، ہمارے اٹھنے بیٹھنے کے آداب تھے یا پھر کھانے پینے کے طور طریقے ـــــ صمد میر اسی روشن اور تابدار روایت کے قابل ذکر علم بردار تھے جنھوں نے عام لوگوں سے اپنا ناطہ نہیں توڑا۔ وہ ان ہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہے، کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ ان سے بلند یا مختلف ہیں۔ عوام اور زندگی سے اسی قربت نے ان کے مشاہدے کو جلا بخشی اور وہ زبان کی دولت کے اعتبار سے اس قدر خوش نصیب بنے کہ بہت کم ان کی ہمسری کر سکیں گے۔

صمد میر ۱۸۹۳ء میں نروره (علم صاحب) میں پیدا ہوئے تھے۔ والد کا نام خالق میر تھا جو دراصل نمبل ہار (بڈگام) کے رہنے والے تھے۔ ان کے پاس زمین تھوڑی سی تھی، بڑی مشکل سے چولھا جلتا تھا۔ گرہستی چلانے کے لیے آرہ کشی بھی کرتے تھے اور مزدوری بھی، مگر ایک اور وصف سے بھی سرشار تھے۔ تکان کی شدت اور دل کا بوجھ کم کرنے کے لیے کبھی کبھی گنگنایا کرتے تھے۔ بہت سے شعر کہے تھے مگر ان کی شاعری کا بیش تر حصہ گم ہو چکا ہے۔ ان کے ایک مشہور گیت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اے بکاولی کے پھول
میرے جگر کے ٹکڑے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تمہاری چاہت میں خالق سفید ریش ہو گیا
اور اب تمہارے پاس آ گیا
تجھے کلمہ کا واسطہ
اسے اپنی پناہ میں رکھ!

خالق میر شعر کہنے کا سلجھا ہوا سلیقہ رکھتے تھے، لیکن تھے ناخواندہ۔ انھوں نے اپنے کلام کو کسی سے قلمبند بھی نہیں کروایا کیونکہ نام و نمود کا شوق نہیں تھا۔ دن بھر محنت مشقت کرتے تھے اور راتیں یاد الٰہی کے لیے وقف رکھی تھیں۔ شعر تو بس دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے کہتے تھے۔ ان کا کلام ان کے طالبوں کو ازبر تھا۔ وہ اس دار فانی سے چلے گئے تو ان کا کلام بھی ضائع ہو گیا۔ باقی جو بچا وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

خالق میر کی پہلی شادی نمبل ہار میں ہی ہوئی تھی۔ محنت مشقت گزر بسر کرتے تھے اور اپنے حال میں مست تھے کہ ان کے سُکھ میں دراڑ پڑ گئی۔ بیوی کا انتقال ہوا۔ صاحب مرشد ہونے کے باوجود ان کے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے، کچھ عرصہ آوارگی میں گزرا۔ کوئی ٹھکانہ تو تھا نہیں اس لیے جگہ جگہ گھومتے اور وقت گزارتے رہے۔ خدا دوست بزرگوں کی صحبت نصیب ہوئی تو سنبھالا ملا لیکن دوبارہ نمبل ہار کا نام نہ لیا۔ شہر میں آرہ کشی کا کام شروع کیا اور گزر بسر کرنے لگے۔ گھر میں جو املاک تھی اس کو یک جدیوں نے ہڑپ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد خالق میر علم صاحب نروہ میں ڈیرہ جما لیا اور وہیں دوسری شادی کی۔ نمبل ہار لوٹنے کا خیال برسوں تک جی میں نہیں آیا۔ غالباً رفیقہ حیات کی موت کا صدمہ شدید تھا جو وہاں لوٹنے میں مانع تھا۔ دوسری بیوی کے بطن سے خالق میر کے تین بیٹے ہوئے ــــ صمد میر، رحیم میر، اور محمد میر۔ اس قدر آسودہ حال نہیں تھے کہ بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے البتہ بچے جوں ہی سن بلوغ کو پہنچے تو انھوں نے اپنا راستہ خود ہی تراشنا شروع کیا۔ اپنے والد کے راستے کو اپنایا اور جس کی جو بساط تھی اسی کے مطابق وہ اپنے کام میں جُٹ گیا۔ اپنی ذمہ داریوں کا احساس انھیں اس وقت کچھ زیادہ ہی ہوا جب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بوڑھے خالق میر کو اپنے آبائی گاؤں کی یاد ستانے لگی۔ وہ آبائی میراث کے متلاشی نہیں تھے بلکہ تنہائی کے جویا تھے جس سے عاقبت کی تلاش آسان ہو جاتی۔ چنانچہ وہ اٹھے اور نمبل ہار گاؤں کے نشیب میں ایک چشمے کے کنارے پہنچے جہاں انھوں نے چناروں کے جھنڈ میں اپنے لیے ایک جھونپڑا بنایا اور اُسی میں یاد الٰہی کرنے لگے ــــ "اگر" نام کی اس جگہ پر اُن کا برسوں قیام رہا۔ یہیں ان کا انتقال ہوا اور یہیں وہ اپنے جھونپڑے کے پاس آسودۂ خاک ہوئے۔ میر خالق کا مقبرہ ابھی تک اچھی حالت میں ہے۔

سن بلوغ تک پہنچنے کے بعد صمد میر نے بھی کافی وقت نرورہ میں گزارا۔ والد نے انھیں بارہ برس کی عمر میں چچازاد بہن کے ساتھ شادی کے بندھن میں باندھ دیا تھا۔ ذمہ داریوں اور گھریلو بندھن کے جال نے اس طرح جکڑ لیا کہ برسوں تک انھیں نمبل ہار میں رہنے بسنے کا خیال تک بھی نہیں آیا۔ محنت مزدوری کر کے گزر بسر کرتے تھے۔ سولہ سترہ برس کی عمر میں آرہ کشی کا کام شروع کیا، جو والد کا پیشہ تھا۔ لیکن دنیوی پھندوں میں پھنس کر بھی وہ اپنے فرائض کو نہیں بھولے۔ والد کے نمبل ہار چلے جانے پر انھیں بھی ان کی خیریت پوچھنے کے لیے گاؤں جانا پڑتا تھا۔

آرہ کشی کا کام انھیں شہر میں سال بھر میسّر نہیں ہوتا تھا، اسی لیے آری کو کندھے پر رکھ کر وہ جگہ جگہ گھومتے اور جہاں بھی کام ملتا، کر لیتے۔ آرہ کشی کے لیے وہ ہندوارہ بھی گئے جہاں چند بزرگ پنڈتوں کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ چنانچہ یہیں پر وہ پہلی بار شاستروں سے متعارف ہوئے۔ ان کے علم میں اس وقت اضافہ ہوا جب کرمشر کے پنڈت مادھو رام کے ساتھ ان کی دوستی ہوئی جو مادھو رام کی وفات تک قائم رہی۔ مادھو رام کی موت کے بعد بھی میر کو ان کے اہلِ خانہ سے شفقت تھی۔

سلوک کی چنگاری میر کے وجود میں والد کی صحبت کی بدولت ہی بھڑکی تھی۔ دراصل یہ مادہ ان کے خون میں ہی موجود تھا۔ چنگاری دھیمے دھیمے سلگ رہی تھی اور اسے اس وقت ہوا لگی جب میر کو استاد صہیب کے بارے میں معلوم ہوا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

استاد حبیب نمبل ہار کے ملحق گاؤں واگر کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے بہت سارے روحانی پڑاؤ طے کیے تھے۔ صمد میر نے ان کا دامن تھاما اور ان کے طالب بن گئے۔ چنگاری الاؤ میں تبدیل ہونے لگی اور میر کے لیے نمبل ہار آنا جانا لازمی بن گیا۔ والد بھی اسی گاؤں میں تھے اور مرشد بھی۔ دونوں کی دل جوئی اور تابع داری ضروری تھی۔ رفتہ رفتہ اپنے آبائی وطن کی محبت نے موہ لیا اور اسی محبت کے پیش نظر میر آخر کار نمبل ہار میں مستقل قیام کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس امر میں ان کے والد اور مرشد دونوں کے تئیں عقیدت و احترام کا جذبہ شامل تھا۔ چنانچہ اپنی ابتدائی دور کی شاعری میں انھوں نے صمد نزوری کا ہی تخلص استعمال کیا ہے۔ ع

اے صمد نزوری تو باہوش رہ

اور اس طرح ہمیں ان کی ابتدائی شاعری کی پہچان میں مدد ملتی ہے۔ نمبل ہار میں مستقل قیام کے بعد کی شاعری میں بھی وہ اپنے مسکن کا پتہ دینا نہیں بھولے ہیں: ع

دیکھ میر صمد خود سے روٹھ گیا اور نمبل ہار میں قیام پذیر ہوا

بہر حال، یہ جملہ معترضہ تھا۔ اُستاد حبیب انھیں سر منزل نہ پہنچا سکے۔ اُن کی عمر کا سفر ختم ہوا اور وہ چل بسے مگر صمد میر کو کہہ کے رکھا کہ "میرے بعد داندر کھاہ بٹہ مالو کے اُستاد خالق تمہاری رہبری کریں گے۔"

کرمشر کے احمد بٹ میر کے ہم مرشد تھے۔ اُنھوں نے بھی شاعری کی لیکن ابھی صرف بارہ نغمے لکھے تھے کہ مُرشد نے منع کیا۔ استاد حبیب کے انتقال کے بعد اُنھوں نے میر سے رہبری کی گزارش کی تھی لیکن میر کے لیے اپنے مرشد کا فرمان پتھر کی لکیر تھا۔ احمد بٹ صاحب کے چند نغمے شائع ہوئے ہیں اور ان کا تکیہ جو انھوں نے اپنے قطعۂ زمین پر تعمیر کروایا تھا اب تک کرمشر میں موجود ہے اور پیر مریدی کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ تکیے کے سجادہ نشین اس وقت احمد بٹ صاحب کے نواسے ہیں۔

میر صاحب کے یہ دونوں مُرشد یعنی استاد حبیب اور استاد خالق، قادر صاحب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کیہنہ کے طالب تھے۔ قادر صاحب کشمیری کے بہت اچھے شاعر تھے اور رحمان ڈار کے طالب تھے جن کا "شش رنگ" سن کر سامع آج بھی ایک انوکھی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ شاعری صمد میر کو کچھ ورثہ میں ملی تھی اور کچھ روحانی فیض کا بھی اثر تھا۔ ان کے گھر میں ان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ آسی ابن صمد میر بھی شاعر تھا اور بڑے صاحبزادے غلام رسول کا بیٹا آج بھی شعر کہتا ہے۔ میر نے اس کی طرف خود بھی اشارہ کیا ہے ؎

میر کچا ثابت نہیں ہوا، وہ نسل در نسل خم لنڈھاتا رہا

مزدوری کر کے میر جو کچھ کماتے، اپنے مرشد کے سامنے رکھتے۔ اکثر وہ استاد خالق کے ہمراہ مزدوری کے لیے جاتے اور جو کچھ وہ دے دیتے اس سے دونوں میاں بیوی گزارہ کر لیتے۔ اپنے مرشد کے ساتھ انھوں نے گپکار کے محل خانے کے لیے لکڑی ڈھونے کا کام کیا۔ یہیں پر انھوں نے پہلا گیت کہا جو بہت مشہور ہوا۔ میرے بچپن میں اس نغمے کا بڑا چلن تھا ؎

سکھی بہت مشکل کام آن پڑا
اور بوجھ بھاری ہوا
میرا گلال جیسا بدن سیاہ پڑ گیا
لیکن (اس بوجھ کو) سہنا پڑا۔

اس نغمے میں داخلی موسیقی کی وہ دل لبھانے والی لے ہے جو سننے والے کو متاثر کرتی ہے۔ یہ نغمہ صمد میر کے حال کا صاف لفظوں میں اظہار ہے لیکن ساتھ ہی اس میں کچھ کھونے کا بھی شدید احساس ملتا ہے۔ میر نے بھاری بوجھ کا ذکر اس احساس اور برجستگی کے ساتھ کیا ہے کہ قاری خود اس بوجھ کو محسوس کرتا ہے۔ فنکارانہ صداقت کا یہی اظہار میر کی شاعری کو ایک نیا آہنگ بخشتا ہے۔ غالباً چھبیس سال کی عمر ہوگی کہ وہ شہر سے ہجرت کر کے والد کی رہائش گاہ میں سکونت کرنے آئے۔ ہجرت کا یہ سودا انھیں کافی مہنگا پڑا۔ آبائی ورثہ پر ان کے یک جدیوں نے قبضہ کر لیا تھا اور وہ اسے واپس کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ذہنی طور پر وہ اس املاک کو اپنی جائیداد سمجھتے تھے۔ حالانکہ اس کی مالیت اُس زمانے میں چند سو روپے سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

زائد نہ تھی لیکن ہاتھ آئی ہوئی جائیداد کو آسانی سے کون جانے دیتا ہے جب تک نہ اسے مجبور کیا جائے۔ بڑی کشمکش کے بعد وہ اپنی موروثی املاک کا کچھ حصہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ برسوں کے اجڑے گھر کو انھیں نئے سرے سے سنوارنا پڑا۔ گھر میں پھوٹا مٹکا بھی نہیں تھا لیکن پامرد شخص کی طرح میر نے ہمت نہیں ہاری اور گھر کو اس سلیقے سے سنوارا کہ دنیا حیران ہوئی۔ رفتہ رفتہ کچھ پونجی جمع کی اور نیا مکان تعمیر کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے اس سلسلے میں صفر سے اپنے سفر کی ابتدا کی۔ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے نہ کسی کا احسان اٹھایا۔ رشتے ناطوں کا سہارا بھی تلاش نہیں کیا۔ راتوں کی نیندیں حرام کیں اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔ ایک محنت کش مزدور کی طرح صبح و شام گھر کی کشتی کو کھیتے رہے۔ ان کی محنت بار آور ثابت ہوئی اور کچھ ہی برسوں میں وہ کھاتے پیتے لوگوں میں شمار ہونے لگے۔

میر کی زندگی کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ وہ ایک باعمل انسان تھے۔ انھوں نے دنیا اور آخرت دونوں کا بیک وقت خیال رکھا۔ نہ دنیا کو عقبیٰ پر قربان کیا اور نہ عقبیٰ کو دنیا پر۔ اس کی بجائے وہ اعتدال میں رہے۔ وہ دنیا سے فرار نہیں ہوئے اور نہ ہی دُنیا کے مزے لوٹنے کو انھوں نے مقصد حیات جانا۔ انتہا پسندی کی بجائے وہ میانہ روی کے قائل رہے۔ حالانکہ جس حال میں وہ واپس نمبل ہار پہنچے اس کے پیش نظر ان کے لیے دنیا کو تج کر گوشہ نشین ہو جانا آسان بھی تھا اور آرام دہ بھی۔ میر کی زندگی کے یہ گوشے پہچاننے اور عملانے کے قابل ہیں۔ زندگی کے یہی وہ رنگ اس حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں کہ جب وہ بزرگی کی سرحد پر پہنچے اور ہر سو اُن کی شہرت ہوئی تب بھی وہ عملی زندگی سے نہیں بھاگے بلکہ حسب معمول روزمرہ کے فرائض نبھاتے رہے۔ ان کی سالکانہ اور گھریلو زندگی میں ذرا بھر بھی تضاد نہیں تھا۔ اس لیے ان کی زندگی میں ایک ہم آہنگی، ترتیب توازن اور سادگی پیدا ہوئی۔ عمر کے آخری ایام میں بھی وہ باقی تمام افراد خانہ کے بعد سوتے اور اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ آیا ہر چیز اپنی جگہ صحیح سلامت ہے یا نہیں۔ دیر سے سونے کے باوجود آدھی رات کو ہی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نیند سے جاگ اٹھتے۔ کسی کو خبر کیے بغیر گھر سے باہر نکلتے اور گھنٹوں گھر سے باہر ہی رہتے۔ ان کی رفیقۂ حیات کو اس کا علم تھا لیکن زندگی بھر اس نے بھی اس راز کا انکشاف نہیں کیا۔ غیر تو غیر خود اُن کے گھر والوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں جاتے اور کیا کرتے تھے۔ پو پھٹنے پر جب وہ واپس گھر لوٹتے تو کھانستے کھنکارتے تاکہ دوسرے نیند سے بیدار ہو جائیں۔ اس کے بعد پھر سو جاتے اور دیکھنے والوں کو کبھی کبھی یہ تاثر ملتا کہ میر کافی دیر تک سوتے ہیں۔ دراصل انھیں اس بات کا احساس تھا کہ اپنے لیے دوسروں کو تکلیف میں ڈالنا جائز نہیں اور عبادت کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ اس کا ڈھنڈورا پیٹا جائے بلکہ کسی کے آرام میں خلل کیے بغیر، تنہائی میں اللہ سے لو لگانا ہی عبادت ہے۔ اس اصول کو وہ عمر بھر گلے سے لگائے رہے۔

خورد و نوش کے معاملے میں بھی میر بہت محتاط تھے۔ اور اس میں نزاکت اور نفاست سے کوئی واسطہ تک نہ تھا۔ وہ زیستن برائے خوردن کے نہیں بلکہ خوردن برائے زیستن کے قائل تھے۔ صبح نیند سے اٹھ کر بغیر دودھ کے دو پیالی چائے پیتے اور پھر کچھ دیر بعد کشمیری نمکین چائے کی ایک آدھ پیالی۔ عام طور پر چائے کے ساتھ چاول یا مکئی کا ستو لیتے تھے اور روٹی کے ساتھ زیادہ رغبت نہ تھی۔ دوپہر کے وقت چاول کھاتے لیکن صرف اتنا کہ جس سے دو سال کے بچے کا بھی پیٹ نہ بھرتا۔ گوشت سے بہت کم رغبت تھی، دو بوٹی گوشت سے اوب جاتے لیکن سبزی بہت پسند تھی۔ کریلا اور توریلا مرغوب سبزیاں تھیں۔ سچ مچ انھوں نے نفس کو قابو میں رکھا تھا۔ یعنی نفس ان کے تابع تھا وہ نفس کے تابع نہیں تھے۔ نفس امارہ کے فیل بدمست کو قابو میں رکھنے کی بدولت وہ ہمیشہ مطمئن رہے اور کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر دعوتوں پر جانے سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک ریشی کی طرح انھوں نے کھانے پینے میں سادگی کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ وہ محض ناگزیر صورت حال یا مجبوری کی صورت میں ہی دعوت پر جاتے تھے۔ نام و نمود کی ہوس تو تھی نہیں اس لیے ایک جماعت کو ساتھ لیے کسی کے گھر نہیں جاتے،

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور نہ ہی وہاں ضیافتوں کی فرمایش کرتے۔ جو کچھ سامنے آتا آنکھوں سے لگاتے۔ دعوت سے اکثر واپس گھر لوٹتے اور اگر موسم خوشگوار ہوتا تو رات باہر ہی کسی میدان یا بیدوں کے جھنڈ میں گزارتے۔ کسی اور کے گھر میں رات گزارنا ان کے لیے ایک ہی بات تھی، اس لیے کہ جو شخص دو پہر رات میں سے ڈیڑھ پہر باہر رہ کر شب بیداری کا عادی ہو اس کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ رات کہاں گزاری جائے۔ یہاں پر اس بات کا ذکر لازمی ہے کہ میرؔ الگ تھلگ کھانے پینے یا سونے کے عادی تھے۔ ہنگاموں سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی فضول باتوں کے لیے اُن کے پاس وقت تھا۔ وہ زندگی کے ہر لمحے کے سودمند استعمال کے قائل تھے۔ ربط و ضبط کے خود بھی پابند تھے اور دوسروں سے بھی اس کی توقع رکھتے تھے۔ سینکڑوں لوگوں کی محفل بھی ہوتی تو کس کی مجال تھی کہ ان کے سامنے لب کشائی کرتا۔ اگر سوئے ہوتے تو کون انھیں جگانے کی جسارت کرتا۔ کوئی اگر اپنی بپتا سناتا تو خاموشی سے سُنتے اور بڑی نرمی سے آخر پر یہ کہتے کہ "جا اپنا کام کر، اللہ مشکل آسان کر دے گا۔" روداد سنانے والا بس اسی بات سے گویا مطمئن ہو جاتا اور ہنستے کھیلتے وہاں سے رخصت ہو جاتا۔ میرؔ کی باتیں اثر رکھتی تھیں۔ باتیں کرتے تو جیسے فضا مہک اٹھتی اور سننے والا اس قدر متاثر ہو جاتا کہ دیر تک غور و فکر کرتا۔ بلند مرتبت کے باوجود ان کی باتوں میں بادِ بہار کی نرمی تھی اور سامع سُن سُن کے گوش بر آواز رہتا تاکہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو۔ نخوت اور تکبّر ان کو چھو بھی نہ گیا تھا۔ وہ راہ چلتے تو کسی کو گمان تک نہ ہوتا کہ یہ صوفی اور شاعر صمد میر ہیں۔ شخصیت کی نمود و نمائش کے لیے انھوں نے اپنی وضع قطع میں جان بوجھ کے کوئی امتیاز پیدا نہیں کیا تھا۔ لیکن تاڑنے والے تو قیامت کی نظر رکھتے ہیں، وہ میر کو لاکھوں میں پہچان سکتے۔ ان کی آنکھوں کی گہرائی اور چہرے کی رونق کچھ اور ہی تھی جس کی پہچان کے لیے چشم بینا کی ضرورت تھی۔ راہ چلتے تو دائیں بائیں نہیں دیکھتے بلکہ سنبھل سنبھل کر تیز قدم اٹھاتے تھے۔ جیسے کسی مہم کو سر کرنے جا رہے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میر کو وقت کی قدر و قیمت کا احساس تھا اور وہ قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ فضول خرچ نہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھے۔ زندگی کے سفر میں جن سختیوں اور تلخیوں سے سابقہ پڑا تھا انھوں نے انھیں ہر شے کی قدر کرنا سکھایا تھا۔ تجربے نے انھیں سمجھایا تھا کہ زندگی کی جدوجہد میں کامیابی کا راستہ مسلسل محنت اور وقت کا درست استعمال ہے۔ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے اور جعلسازی کے ذریعہ دن گزارنے سے انھیں نفرت تھی، اسی لیے انھوں نے کہا ہے ؎

اپنی دنیا سنوارنے کے لیے خود وسائل پیدا کر
اور یقین کو بنائے رکھ
اس کے لیے قربانی بھی دینا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں
دوستی میں احتیاط برت اور اسے تولا کر
میں اس لیے کہہ رہا ہوں
کہ میں نے "قالو" سن لیا ہے

یا

منزل مراد پانے کی خوشی کیا ملی کہ سب غم دُور ہو گئے
حق تو ہے کہ میں اس مقام پر بس محنت کی بدولت پہنچا ہوں

طالبوں اور بچوں کو بھی بیکار نہ بیٹھنے کی ہمیشہ تاکید کرتے اور کہتے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے والے سے خدا بھی خوش نہیں ہوتا۔ کسی نہ کسی کام میں مصروف رہنے سے انسان ضرور فائدے میں رہتا ہے۔ محنت کا معاوضہ دینے والا خود اللہ ہے۔ سلوک کی منزلیں طے کر کے عرفان اور عزت حاصل کرنے والے میر اپنی عملی زندگی میں بھی اسی طرح چوکس تھے جس طرح سرحد پر پہرہ دینے والا سپاہی چوکس ہوتا ہے۔ بیکاری سے انھیں نفرت تھی۔ صمد میر کو مویشی پالنے کا بڑا شوق تھا، جبھی تو ان کے پاس بہت سے مویشی تھے۔ آخری دنوں تک وہ بیس بیس بھیڑیں، گائے اور بیلوں کی جوڑی پالا کرتے تھے۔ یہ اُن کی مصروفیت کا وسیلہ بھی تھا اور آمدنی کا ذریعہ بھی۔ بچے اگرچہ اب بڑے ہو چکے تھے لیکن وہ ان پر سارا بوجھ نہیں ڈالتے تھے۔ مویشیوں کی دیکھ ریکھ خود کرنا ان کی عادت تھی۔ رات کو جب یادِ خدا کرنے کے لیے اٹھتے تو اس وقت بھی گاؤخانے میں جا کر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چوپایوں کو سہلاتے اور اس بات کا خیال کرتے کہ کہیں کسی چوپائے نے گھاس نہ کھائی ہو یا کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ جاڑے کی راتوں میں، جب زیادہ تر لوگ گھروں کے اندر ہی رہتے ہیں، میر اون کا کام کرتے اور دو چار چادر تیار کرتے۔ بڑھاپے میں جب وہ زیادہ محنت کرنے کے قابل نہیں تھے وہ ہر وقت انگوٹھے اور منجھلی انگلی سے لپینے کے کام آنے والی سفید مٹی کو گھسا کرتے تھے اور جب یہ مٹی دستیاب نہ ہوتی تو راکھ یا عام مٹی کو گھسا کرتے۔ اس عمل پر وہ برابر بیس برس تک ڈٹے رہے اور اس سے ان کے انگوٹھے اور انگلی کے سرے گھس گئے تھے۔ نہ معلوم اس امر کے پیچھے کون سا راز تھا لیکن یہ بات عیاں ہے کہ یہ عمل ان کی ریاضت کا حصّہ تھا۔ وہ کسی خاص نشّے کے عادی نہیں۔ ہاں تمباکو پیا کرتے تھے لیکن ایسا نہیں کہ ہمہ وقت حُقّے کو منھ کے ساتھ لگائے رکھتے۔ دو چار کش لیے اور حقّے کو دُور رکھ دیا۔

میر کے پاس بیٹھ کر افلاطون کا یہ قول یاد آجاتا کہ لفظوں کا فضول استعمال مریض روح کی علامت ہے۔ اس حقیقت کو انھوں نے عملی طور پر پہچان لیا تھا اسی لیے وہ بوقت ضرورت اور سوچ سمجھ کر بات کرتے۔ فضول بات کرنے یا سننے کے وہ قائل نہیں تھے۔

جوانی کے ایّام میں وہ ڈٹ کر کھیتی کا کام کرتے تھے اور اس کام میں کوئی ان سے بازی نہیں لے سکتا تھا۔ ان کے نزدیک کام عبادت کا درجہ رکھتی تھی، محنت سے انھوں نے کبھی جی نہیں چُرایا۔ لکڑی ڈھونے کے کام سے وہ کبھی شرمائے نہیں اور جب یہ کام ان کی ضرورتوں کو پورا نہ کر سکا تو آرہ کشی کا کام کرنے لگے۔ غرض خون پسینہ ایک کر کے زندگی بسر کی اور کبھی آرام طلب نہ بنے۔

کتابی علم حاصل نہیں تھا لیکن روزمرہ کی زندگی کے تجربوں نے اس قدر درس دیا تھا کہ پڑھے لکھے بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کوئی ان کے سامنے مثنوی مولانا روم، پند نامہ عطار، گلستان یا بوستان پڑھ کر سُناتا تو میر آن کی آن میں اشعار کی ایسی تشریح کرتے کہ شعر کی ساری نزاکتیں سامنے آجاتیں اور پڑھنے والے کو اپنی لاعلمی کا اس قدر احساس ہوتا کہ اس کا سر ندامت سے جھک جاتا۔ کوئی اگر کلام پاک کی تلاوت کرتا اور قرأت میں ذرا سی غلطی کر جاتا تو میر اُسے یہ کہہ کر ٹوکتے کہ "بھائی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ذرا ٹھیک سے پڑھو قرأت میں تم سے غلطی ہوئی۔ الہامی کتاب پڑھنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ کلام اللہ کی تلاوت کے لیے کسی استاد کی رہبری حاصل کرنی چاہیے۔"

کسی کا منہ چڑانا یا کسی کو بُرا بھلا کہنا میر کا شیوہ نہیں تھا۔ وہ خود بھی خوش اخلاق تھے اور دوسروں کو بھی خوش اخلاقی کی تلقین کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ "کسی کا منہ نہیں چڑانا چاہیے، محبت تو پتھر کو بھی موم بنا سکتی ہے۔" میر کو کوئی بات سمجھانا بھی ہوتی تو بڑی نرمی اور حلیمی سے سمجھاتے۔ بُرا کہنا یا بُرا چاہنا ان کی سرشت میں نہیں تھا۔ دوسروں کی ترقی پر ان کی باچھیں کھل اٹھتیں اور وہ کہتے کہ "جو دوسروں کی ترقی پر جل بھن جائے وہ خود خسارے میں رہتا ہے۔" حسد اور نفرت کے جذبے سے کوسوں دُور تھے جس کی بدولت ان کے عقیدتمندوں میں ہر طبقے اور عقیدے کے لوگ شامل تھے۔ ہندو، مسلمان دونوں ان کے تئیں عقیدت رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ بہت سارے کشمیری پنڈتوں کے گھریلو تعلقات تھے اور ان کا ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا تھا۔ کرمشر کے پنڈت ان کے گھر کو اپنا ہی سمجھتے تھے، جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی ان کے یہاں چلے آتے اور کبھی بھی نامراد نہیں لوٹتے۔ واقعہ یہ ہے کہ صوفیوں کی مجلسیں ہمیشہ آپسی بھائی چارہ کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔ ریشیوں کے بعد صوفیوں نے ہی ہمارے تمدن کو پروان چڑھایا ہے اور چبوتروں پر چڑھ کر جن باتوں کا آج ڈھول پیٹا جاتا ہے انھیں ہمارے بزرگوں نے عملی شکل دی تھی۔ حکمرانوں اور سیاست دانوں کے ہاتھوں ہمارے مخلوط تمدن کو زبردست نقصان پہنچا۔ یہ لوگ اپنے اغراض و مقاصد کی خاطر صرف باتیں بناتے رہے اور عوام کے جذبات سے کھیلتے رہے۔ بنیادی طور پر رشیوں اور صوفیوں کے مسلک کی تحریک عالم گیر انسان دوست قدروں کی نمائندگی کی تحریک رہی ہے جب کہ سیاست کبھی ایک نہج پر نہیں رہتی۔ صمد میر کی ذات ایک انجمن تھی اور وہ اپنے عمل اور اپنی شاعری میں ایک ایسا سنگم ہے جہاں بہت سے دریاؤں کا پانی مل کر ایک سمندر بن جاتا ہے، ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

صمد میر کو موسیقی سے گہرا لگاؤ تھا لیکن وہ زیادہ تر صوفی شاعروں کا کلام سننا پسند کرتے تھے۔ گانا پسند آتا تو رک جاتے اور مست ہو جاتے ورنہ محفل سے خاموشی سے چلے جاتے اور اپنا کام کرتے۔ شمس فقیر کی شاعری انھیں بے حد پسند تھی شاید اس لیے کہ ان کی شاعری میں کچھ حاصل کرنے کی آرزو کی بجائے محظوظ کرنے والی بہار اپنا رنگ و بُو بکھیرتی ہے۔ کہا کرتے تھے کہ "شمس فقیر نے منزل پالی ہے اور مجھے ابھی بہت سارا سفر طے کرنا ہے۔" اپنا کلام بھی سماعت کرتے تھے اور اگر گانے والا کسی جگہ غلطی کر جاتا تو ان کے ماتھے پر بل پڑتے اور تاڑنے والے فوراً سمجھ جاتے کہ گانے والے سے غلطی ہوئی ہے۔

وہ حد سے زیادہ نفاست پسند اور صفائی پسند تھے۔ وہ جہاں بیٹھ جاتے وہاں گندگی تو کیا گھاس کا تنکا بھی نہ ہونا چاہیے تھا۔ لباس میں میل کچیل تو درکنار کہیں کوئی شکن بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ پوشاک کے معاملے میں سادگی پسند تھے لیکن اچھا خاصا قیمتی کپڑا پہنتے تھے۔ بڑھاپے میں اس بات کی طرف کچھ زیادہ ہی توجہ دیتے تھے۔ پھرن ان کے لباس کا لازمی حصّہ تھا جسے انھوں نے کبھی ترک نہیں کیا۔ کوٹ اور واسکٹ بھی استعمال کرتے تھے۔ جاڑے میں کشمیری چادر کے سینے ہوئے پھرن اور شلوار کا استعمال کرتے تھے۔ گرمیوں میں سوزنی ٹوپی اور جاڑے میں کنٹوپ پہنتے تھے۔ سفید لباس من پسند تھا شروع میں کشمیری پاپوش استعمال کرتے تھے لیکن بڑھاپے میں غرغابی پہنتے تھے۔ جوانی میں پھرن کے اوپر سوتی چادر اوڑھ لیتے تھے لیکن جب کچھ آسودہ حال ہوئے تو کاندھے پر رفل کا شال رکھا کرتے تھے۔

میر میانہ قد کے تھے۔ داڑھی رکھتے تھے اور چھوٹی سی مونچھیں گلدستے کی مانند تھیں۔ بال چھوٹے رکھتے تھے یا پھر اُسترے سے منڈھواتے تھے۔ چہرہ لمبا تھا۔ آنکھوں میں بلا کی کشش تھی۔

میر کی نظر آدمی کو اپنی گرفت میں لے لیتی تھیں۔ ماتھا کشادہ اور ٹھڈی بڑی تھی۔ عمر کے آخری دنوں میں ماتھے پر شکنیں ابھر آئی تھیں جن کی بدولت چہرے پر ایک جلال سا ٹپکتا تھا۔ عام لوگوں سے مختلف وہ ایک فلسفی معلوم ہوتے تھے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور ان کی مخمور آنکھیں دیکھ کر لگتا تھا کہ ان آنکھوں میں نہ جانے کتنے سربستہ راز ہیں۔ میر پر نظر پڑتے ہی لگتا تھا کہ یہ اپنے مقام پر پہنچے ہوئے شخص ہیں۔

عمر کے آخری ایّام میں نہ معلوم کیوں انھیں ایک نئے مرشد کی تلاش کرنا پڑی۔ چنانچہ انھوں نے رمضان بٹ کا دامن تھام لیا۔ رمضان بٹ اچی ڈورو کے رہنے والے تھے اور استاد حبیب اور استاد خالق کی طرح کبروی سلسلے سے وابستہ تھے۔ صمد میر آخری دن تک رمضان بٹ کے ارادت مندوں میں شامل رہے۔

میر کے احباب میں پنڈت مادھورام کے علاوہ محدہ بٹ (محی الدین بٹ) بھی شامل تھے۔ محدہ بٹ نمبل ہار کا نمبردار تھا مگر میر کا دوست بھی تھا اور عقیدتمند بھی۔ مادھورام کی وفات کے بعد میر بیش تر معاملات میں محدہ بٹ سے ہی مشورہ کرتے تھے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ دونوں عمر بھر ایک دوسرے کے ہمراز رہے۔ دونوں ان پڑھ تھے لیکن اس قدر دانا و بینا تھے کہ بڑے بڑے اکابران سے مشورہ لیتے تھے۔ چنانچہ انتقال کرنے سے کچھ عرصہ قبل میر نے محدہ بٹ سے کہہ رکھا تھا کہ "میں اب جا رہا ہوں اور تمہیں میرے آٹھ سال بعد جانا ہے"۔ چنانچہ میر کی وفات کے آٹھ سال بعد محدہ بٹ وفات پا گئے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کے لوگ اس بات پر یقین نہ کریں لیکن یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے کئی چشم دید گواہ آج تک بقید حیات ہیں۔

شہر میں میر کا آنا جانا بہت کم تھا لیکن جب بھی شہر آتے تو صفاکدل کے رحیم ریشمی یا امیراکدل کے حاجی احد صوفی کے یہاں قیام کرتے۔ ان دونوں کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے لیکن ایسا نہیں کہ ان کے بغیر سری نگر میں ان کا کوئی عقیدتمند نہیں تھا۔ حق تو یہ ہے کہ عقیدتمندوں کی تعداد بہت بڑی تھی۔ سری نگر کے علاوہ وادی کے تقریباً دوسرے تمام پرگنوں میں ان کے کتنے ہی چاہنے والے موجود تھے جو ان کے سامنے حاضری دینے آتے۔ عقیدت مندوں کا یہ وسیع دائرہ کبھی بھی ان کے لیے تکبّر کا باعث نہ بنا اور جو بھی ارادت مند ان کے پاس آیا اپنی بساط کے مطابق مالا مال ہوا۔

صمد میر کے بہت سے طالب تھے جن میں سے بعض اب تک بقید حیات

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں۔ احد بیگ، غلام نبی کاؤڈاری، گلہ جان، رمضان جو، احمد بنگرو، حاجی احد صوفی، عبدالرحیم وانی، ـــــ یہ سب ان کے بہت قریب تھے۔ احد بیگ اُن کے داماد تھے۔ انھوں نے شعر بھی کہے ہیں۔ طالبوں میں میر کے فرزند آسی ابن صمد میر کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھے۔ بیٹی کا بیاہ کرمشر گاؤں میں ہوا ہے۔ بڑے فرزند غلام رسول پٹواری ہیں اور ان کے فرزند شکیل احمد بھی شاعری کرتے ہیں۔

خود ان پڑھ ہونے کے باوجود میر تعلیم کو لازمی جانتے تھے اسی لیے اپنی بساط کے مطابق اپنی اولاد کو تعلیم دلوائی اور اس قدر تعلیم دلوائی کہ ان کی روزی روٹی کی سبیل ہو سکی۔ چھوٹے فرزند گلہ میر (آسی) ٹرانسپورٹ محکمہ میں کلرک تھے۔ لیکن زیادہ اخراجات برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے میر اپنے کسی بچے کو کالج کی تعلیم نہ دلا سکے۔ اس زمانے میں اس قدر تعلیمی سہولیات دستیاب نہیں تھیں۔ رسل و رسائل کے مناسب انتظامات بھی نہیں تھے۔ تنہا صمد میر کے لیے اپنے بچوں کو کالج کی تعلیم دلانا اور ساتھ میں گھر گرہستی چلانا ممکن نہیں تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بچوں کا میٹرک پاس کرنا بھی بہت خیال کیا جاتا تھا۔

صمد میر ۹ جنوری ۱۹۵۹ء کو صبح کے چار بجے اللہ کے پیارے ہوئے۔ ذہنی طور پر وہ پہلے ہی مرنے کے لیے تیار تھے۔ خود ہی کہہ رکھا تھا ؎

میں اس کلجگ (چودھویں صدی ہجری) میں اکیلا پڑ گیا
یہ میری قسمت میں پیدائش کے وقت ہی لکھا تھا
اب صمد میر نے وہاں جانے کی تیاری کی ہے
کہ جہاں اس کا میکا ہے!

صمد میر نے خود ہی وصیت کر رکھی تھی کہ "مجھے "اگر" میں والد کے پہلو میں دفن کیا جائے۔" "اگر" سری نگر سے رائیتھن جانے والی سڑک کے پندرھویں میل کے پاس چناروں کے جھنڈ میں ایک چشمے کے کنارے بڑی خوب صورت جگہ پر واقع ہے۔ میر کے مقبرے پر ایک حجرہ بنا ہوا ہے۔ قبر پر جو لوح لگی ہوئی ہے اس پر ان کا سن وفات درج ہے۔ مقبرے کے احاطے کے چاروں طرف خاردار تار لگا ہوا ہے۔ میر کا مزار اب خوب صورت باغ کی مانند سجایا گیا ہے۔ خود کہا ہے ؎

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اگر تمہارے چشم و گوش ایک ہو جائیں
تو تیری ہر رات آزادی کی رات ہوگی
اے ہوش مند انسان
تو اپنے ہونٹوں کو سی لے

میر کے مزار پر ہر سال خزاں کے موسم میں بھنڈار کا اہتمام ہوتا ہے اور بہار کے موسم میں میلہ لگتا ہے۔ میلہ کے موقعہ پر مشاعرے اور موسیقی کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ اس میں آس پاس کے دیہات سے آئے ہوئے لوگوں کے علاوہ میر کے عقیدتمند اور طالب بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہاں وہ سب لوگ جمع ہو جاتے ہیں جنھیں میر نے یہ کہہ کر پکارا تھا ؎

میری پکار خوش قسمت لوگوں نے سُنی
ارے تو نے تو میرے لاکھ پکارنے پر بھی نہیں سُنا

یہ آواز جن لوگوں نے سُنی وہ بقول میر ؎

سننے والے تو ہاتھ مل رہے ہیں
لیکن تو نے تو میرے لاکھ پکارنے پر بھی نہیں سُنا

صمد میر کی موت سے کشمیری زبان کا ناقابل تلافی نقصان ہوا اور ہمارے مخلوط تمدن کا ایک روشن مینار بجھ گیا۔ صمد میر جیسے شاعر کسی زبان کو بار بار نصیب نہیں ہوتے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاعری

وہ کیسے جیے
جسے تم نے بے کل کر دیا
اے متوالے محبوب
تو ہم سے دُور چلا گیا
صمد میر کا یہاں اب بھی کون آشنا ہے
اُسے تو محبوب نے ہجر کی آگ میں جلا دیا۔

صمد میر کے "وژن" کا یہ بند محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ ایک ایسی حقیقت جو شاعرانہ صداقت کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان کے ہمدردوں کی بے مروّتی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اُن کی وفات کو اب چھبیس ۲۶ برس ہوئے لیکن ان چھبیس برسوں میں اُن کے متعلق چھ ۶ مضامین بھی شائع نہیں ہوئے۔ اگر کلچرل اکیڈمی ان کے کلیات کو شائع نہ کرتی تو ان کا کلام آج عنقا ہوتا۔ یہ صمد میر کا ہی نہیں بلکہ ان جملہ کشمیری صوفی شاعروں کا مقدر ہے جنھوں نے آندھیوں میں کشمیری زبان کے چراغ کو روشن رکھا، اور ساتھ ہی اپنے گوناگوں تجربوں سے ہماری ذہنی گلکاری کا سامان مہیا کیا۔ ان سے متعلق اگر کسی نے لکھا بھی تو اس قدر سرسری کہ باتوں کی وضاحت کے سلسلے میں اس سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

صمد میر صوفی بھی تھے اور شاعر بھی۔ ایسے ویسے شاعر نہیں بلکہ ایک مکمل اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھرپور شاعر، کہ جن کا تخیّل احساس کی منزلوں کو گرفت میں لاکر مجرّدات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنے پر قدرت رکھتا تھا۔ یہ طے کرنا ذرا مشکل ہے کہ آیا وہ شاعر بڑے تھے یا صوفی۔ اکثر ہمیں ان کی شخصیت کے دونوں پہلوؤں میں توازن نظر آتا ہے لیکن بعض اوقات شاعر صمد میر بازی لے جاتے ہیں اور ایسے جھر جھر کرتے نغمے جنم لیتے ہیں کہ اپسراؤں کے گیت بھی ماند پڑ جاتے ہیں ؎

میرا معشوق تو ابھی میرے پاس تھا
نہ جانے کس لاگ سے مجھے بھول بیٹھا
ہجر کی آگ سے میرا دل پارہ پارہ ہوا

معشوق کو تو میں نے گود میں سہلایا تھا
اب کہاں چلا گیا کہ میں انصاف چاہتی ہوں
میرا گھنگھروؤں والا دامن اشکوں سے تر ہو گیا۔

وہ ہماری خیریت پوچھنے نہیں آیا
غیروں کی طرف ملتفت ہوا اور ہمیں داؤ پر لگا دیا
(تم ہی بتاؤ کہ) وہ کیسے جیے جس کا انگ انگ ہجر میں جل گیا ہو۔

تمہاری کج ادائی سے ہم دیوانہ ہو گئے ہیں
اے وعدہ کرنے والے ذرا اپنا مکھڑا دکھا دے
ہم محبت بھری ان آنکھوں سے خونِ دل بہا رہے ہیں۔

میر کی شاعری کا خاص وصف یہ ہے کہ اگرچہ یہ اکثر موقعوں پر روحانی تجربوں کا اظہار ہے لیکن اس سے وہ لوگ بھی لطف اندوز ہوتے ہیں جو عشقیہ نغموں کے شیدائی ہیں۔ شاعر کی آواز انھیں اپنے دل کی آواز محسوس ہوتی ہے اور اس طرح میر کی شاعری کہیں بھی یکسانیت کا شکار نظر نہیں آتی۔ پہلی نظر میں جو نغمہ عشقیہ نظر آتا ہے وہ فوراً ہی ایک ایسا موڑ لیتا ہے کہ سارے کا سارا نغمہ ایک خاص تجربے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا پھیلاؤ محسوس ہوتا ہے اور تجربے کے ست رنگی حُسن سے قاری اور سامع دونوں کو مدہوشی کے عالم میں پہنچا دیتا ہے ؎

فنا کے شک کو پھینک دے اور بقا کو دیکھ لے
اس سے آگے شہنشاہ ہے
وہاں میرے اور اُس کے درمیان ایک جیسی باتیں ہوئیں۔

وژن (گیت) کا مکھڑا جس کا میں نے شروع میں حوالہ دیا ہے ایک ارضی محبوب کی جُدائی کا احساس دلاتا ہے مگر گیت کے آخر میں میرنے اسے وہ موڑ دیا ہے کہ ایک خارجی ارضی تجربہ داخلی تجربے میں بدل گیا ہے۔ تجربہ زمینی سرحدوں سے پرے آسمانوں میں پرواز کرنے لگتا ہے۔ زیر بحث بند میں وصل کی سرمستی ملتی ہے۔ شاعر جستجو کی منزل سے آگے جاکر لذّتِ وصل کے مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں دوئی کے سارے پردے تار تار ہوئے ہیں اور عاشق اور معشوق ایک ہوئے ہیں۔ صمد میر وہی کچھ کہتے ہیں جو ظاہری حقیقت مختلف روپ دھار کر پیش کرتی ہے۔ یہاں شاعر فنا کی سرحدوں سے نکل کر بقا کی منزل پر پہنچ گیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ایک متصوفانہ تجربہ شاعری کے قالب میں کچھ اس انداز سے ڈھل گیا ہے کہ محض چند لفظوں میں ایک طویل سفر بڑی کامیابی کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اور شعر کا فنی کردار ذرہ بھر بھی مجروح نہیں ہوا ہے۔ پوری شعری تخلیق شروع سے آخر تک ایک سدا بہار گلدستے کی مانند ہے جو ہر سو اپنی خوشبو بکھیرتا ہے۔

چینی شاعر چی کانگ نے لکھا ہے:-

"میری نظر گھر کی اور پرواز کرتے ہوئے آسمانی بطخوں کا تعاقب کرتی ہے۔"

صمد میر کی شاعری کو بہ نظر غائر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ ان کی نظر نے بھی عمر بھر ایک مجرد حقیقت کو پالیا ہے۔ صمد میر کے آگے یہ مجرد حقیقت رنگ بدل بدل کر اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ لیکن آخر پر انھیں احساس ہوتا ہے کہ اعلیٰ حقیقت دراصل دیکھنے سے زیادہ محسوس کرنے اور وجود کا جُز بنانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی لیے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انھیں کہنا پڑا ؎

خود کو مٹا کر راز ہستی کے طلسم میں کھو جا
اور اپنے وجود کو پہچان لے
مرنے کے بعد موت سے کیا ڈرنا
اگر تو اسرار سے واقف ہے تو ان کو سمجھ کر
اپنے وجود کو پہچان لے اور موت کے خوف سے آزاد ہو جا!

جس نے خود کو پہچان لیا اور جس نے اپنے وجود کی حقیقت جان لی اُسے موت کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ جینا اور مرنا اس کے لیے بے معنی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر لل دید کہتی ہے ؎

میں تو اس سنسار کے لیے جنمی ہوں
ادراک کے نُور سے میں نے اُسے آسانی سے پا لیا
میرا کوئی نہیں کہ جس کے مرنے کا غم کروں
اور میرا کوئی نہیں کہ جو میرے مرنے کا غم کرے
مرنا اور جینا میرے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ذات کا عرفان حاصل ہونے کے بعد مرنے کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ موت کا یہ خوف کس طرح ختم ہو؟ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صمد میر سوال کرتے ہیں:

جس نے خود کو بھول ڈالا
سمجھ لو کہ وہی فنا ہو جاتا ہے
پھر اُسے ہم سے کیا لینا دینا!
کیا یہ بات تمہیں کسی نے نہیں بتائی؟

"وژن" کے اس بند میں شعری نزاکت و نفاست کو برقرار رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ ایک بڑی بات کہی گئی ہے جس کی وضاحت وقت طلب معاملہ ہے۔ خاص طور پر "وژن" کا ٹیپ کا مصرعہ "کیا یہ بات تمہیں کسی نے نہیں بتائی" غور طلب ہے جس کے حقیقت کا اور اسے سمجھنے کا احساس شدید بنا دیا ہے۔ ساتھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہی اس میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو ضرورت مندوں کو اس حقیقت سے باخبر کرے۔ بات کہہ کر بات کے بارے میں پوچھنے سے شعر میں ایک نیا موڑ اور ایک نئی جہت پیدا ہوئی ہے۔ یہی صمد میر کے فن کا اعجاز ہے کہ وہ قاری یا سامع کے دل میں بات کو سن کر اس کا کھوج لگانے کی آرزو کو مہمیز لگاتے ہیں، جس سے اس کے روم روم میں ایک طلاطم اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ وہ سوچ کے دائرے سے نکل کر احساس کی منزل کی جانب قدم اٹھاتا ہے مگر اس کی ذہنی اپج شرط ہے۔ میر نے اس طرح کے سوالات کئی اور موقعوں پر بھی اٹھائے ہیں لیکن غور و فکر کرنے والوں کے لیے سوال ہی اپنا جواب بن جاتا ہے ؎

لفظ کہاں سے آیا؟
اور وہاں کا راستہ کسے معلوم ہے؟
وہاں پہنچ کر تو میں حیرت میں پڑ گیا!
ذرا اس کے معنی بتائیے!

یہاں ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا ذکر مقدس کتابوں میں آیا ہے۔ چنانچہ بائبل میں مذکور ہے:

"پہلے لفظ تھا، لفظ خدا کی بدولت تھا اور لفظ خدا تھا"

"In the beginning was word,

word was with God and word was God"

اور اُپنشد میں کہا گیا ہے:

"Vagvai Parman Brahman"

یعنی لفظ ہی پرم برہما (حق) ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ خدا کو جاننے کی پہلی سیڑھی لفظ ہے۔ اگر لفظ نہ ہوتا تو ہم نہ ایک دوسرے کے تجربوں سے مستفید ہو سکتے تھے اور نہ ہم میں اُسے جاننے کی قوت ہوتی۔ لفظ نہ ہوتا تو انسان کا شمار بھی حیوانوں میں ہوتا۔

ہندوستان کے جمالیاتی فلسفے کے مطابق فن میں اس کا پایا جانا لازمی ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاعری ہو یا سنگیت، بُت تراشی ہو یا مصوّری ۔ فن کا پہلا رس (لطافت) روحانی مہمیز ہے، ایک داخلی آہنگ یا تجربہ جو فن پارے کے اندر جاری وساری ہوتا ہے اور جسے محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن دیکھا نہیں جا سکتا۔ اس رس (لطافت)، کا متن یا اس کی ہئیت کے ساتھ بظاہر کوئی رشتہ نہیں۔ یہ رس فن پارے میں ڈوب جانے سے ابھارا جا سکتا ہے یہی رس، یہی لطافت ذہنی مسرت (آنند) ہے اور یہی اس کا اظہار۔ اس آنند کو جب ہی محسوس کیا جا سکتا ہے جب انسان کی ذہنی سطح اسے محسوس کرنے کے لائق ہو۔

اس طرح کی داخلی لطافت یا رس کو فن پارے میں باہر سے داخل نہیں کیا جا سکتا بلکہ مشاہدے کی گہرائی اور تجربے کی رنگا رنگی اس لطافت کو جنم دیتی ہے اور لطافت کی یہ دولت ہر کسی کے نصیب میں نہیں۔ لل دید کی طرح صمد میر کی شاعری بھی اس داخلی یا باطنی لطافت کی امین ہے اور یہ لطافت محسوس کرنے کا عمل ہے۔

غیب کی آواز میرے کانوں میں پڑ گئی
یہ مجھ سے کیا کہا گیا ؟
کبھی میں اس کے معنی سمجھ سکا اور کبھی نہیں سمجھ سکا
عشق کا تیزاب مرے وجود کے کچے دھاگوں پر گرا
اس سے مفر کب تھا ؟
اس کھیل میں جینے اور مرنے نے مجھ سے بازی لی!

سات مقامات کو طے کرنے کے بعد بھی
وہ مقام کہ جو مطلوب ہے
ہنوز مجھ سے دور ہے
صمد میر پر جو راز آشکار ہے
اس کا اظہار مشکل ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ نہ کہیں نیچے ہے اور نہ کہیں اوپر
تو غم نہ کر، کہ وہ تو اس دل میں پوری شان سے براجمان ہے
رازکی بات یہ ہے کہ
اس کا اور میرا رشتہ گوشت و پوست کا رشتہ ہے
دوئی کو مٹا کر ہی آدمیت کا مقام مل سکتا ہے۔

وہ ایک بات جو میں نے سُنی
اُسے میں نے من کی گودی میں سہلایا
اور ساتوں دروازے (سامعہ، باصرہ، شامعہ اور ناطقہ) بند کر کے
اندر ہی اندر چھُپا لیا۔
کسے بتاؤں کہ اس عمل میں میرا دن بھی گیا اور رات بھی۔

شاعر کو وہ حقیقت ذرّے ذرّے اور رنگ رنگ میں اپنا جلوہ دکھاتی تھی کہ جس کا کوئی رنگ نہیں۔

وہ کہ جس کا کوئی رنگ نہیں
مختلف روپ دھار کر
ہر طرف جلوہ گر ہوا
اے صمد میر تو ان رنگوں کی تھاہ لے
کہ جنھیں دیکھ کر عقل دھنگ رہ جاتی ہے۔

کثرت میں وحدت کی پہچان کی اسی آواز کو وحدت الوجود اور ادیت ویدانت کا نام دیا گیا۔ یہ دونوں مکتبۂ فکر دنیا سے متعلق ایک ہی زاویئے کے دو روپ ہیں۔ یہ کائنات اور انسان سے متعلق الہامی تصور کی بنیاد ہے۔ دونوں نظریوں کے مطابق حق، تخلیق کا منبع ہے اور یہی حق کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے جو رنگا رنگی آنکھ مچولی کھیلتی ہے وہ ظہور کی الگ الگ صورت ہے۔ ان صورتوں کو دیکھ کر صمد میر کا جی بھر آتا ہے اور وہ بہ آواز بلند پکار اٹھتے ہیں ؎

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"لا" ہی زمین و آسمان ہے
"لا" ہی لوح، قلم اور دوات ہے
جب سب کچھ "لا" ہے
تو میں کس کے سامنے اور کیوں کر سر بہ سجود ہو جاؤں
کیا بتاؤں کہ جب سے میں نے لا کے معنی سمجھے۔۔۔!

نا وجود کو لایا شُنیہ کا لباس پہلی بار لل دید نے پہنایا اور کہا ؎

ہم مسلسل آتے رہے اور جاتے رہے
اور سفر کا یہ سلسلہ دن رات جاری رہا
جہاں سے ہم آئے وہیں لوٹ کے جانا ہے
یہ (سب کچھ) اگر شُنیہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

یا

ہزار بار میں نے اپنے گرو سے پوچھا
کہ اُس بے نام کا نام کیا ہے؟
پوچھتے پوچھتے میں تھک کر چُور ہو گئی
دراصل اسی "نہیں" سے "ہے" کا جنم ہوا۔

لل دید نے بات اشاروں کنایوں میں کہدی لیکن صمد میر نے اس کی وضاحت کی اور "نہیں" میں "ہے" کی پہچان کا اظہار کیا۔ "میں شُنیہ میں ہوں اور شُنیہ مجھ میں ہے" کہہ کر انھوں نے "انا الحق" کا نعرہ بلند کیا کہ جس کی پاداش میں منصور کو دار پر چڑھا دیا گیا۔ "انا الحق" کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر نکلسن مثنوی مولانا روم کے انگریزی ترجمے کی چھٹی جلد میں لکھتے ہیں:۔

"مولانا جلال الدین رومی کے خیال میں انا الحق انکساری کی آخری منزل ہے۔ جس طرح شہد میں پھنسی ہوئی شہد کی مکھی اپنے پروں کو حرکت نہیں دے سکتی اُسی طرح جذب و سرمستی کی حالت میں کوئی صوفی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں بندہ ہوں کیونکہ اس میں دوئی کا شائبہ ہے یعنی ایک اللہ ہے اور دوسرا بندہ۔ یہ غرور کا مقام ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یعنی اللہ کے ہونے کے سامنے اپنے ہونے کا اعلان۔"

صمد میر کی طرح بھگت کبیر نے بھی انا الحق کا نعرہ بلند نہیں کیا لیکن ذیل کے مصرعے میں بھی یہی حقیقت بیان ہوئی ہے۔

نرگن آگے سرگن ناچے باجے سو ہنگ توار

(ذات کے آگے صفات رقص کرتی ہیں اور انا الحق کا ساز بج اٹھتا ہے)

چاندیوگ اُپنشد کے ایک سُوتر میں اس بات کا اظہار یوں ہوا ہے:۔

"ساری رنگا رنگی ناموں اور لفظوں کا معاملہ ہے"

حضرت محی الدین ابن عربی کا وہ نقطۂ نظر بھی جو صوفیوں میں "ہمہ اوست" کے نام سے مقبول ہے، اس تصور سے زیادہ مختلف نہیں۔ یہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ اور ایک ہی حقیقت کی دو تاویلیں ہیں۔ اس بے رنگ کے رنگ دیکھ کر میرؔ اس قدر مست ہو جاتے تھے کہ اپنے وجود تک کو بھول جاتے تھے۔ وہ دیکھتے اور سوچتے کہ رنگوں کی اس قوس قزح میں اس حقیقت مطلق کو کس رنگ سے پکاروں، اُسے کس طرح سمجھوں، پہچانوں اور محسوس کروں۔ بقول سوچھ کرال "سلسلہ ایک تھا" اس لیے کسی ایک رنگ کی حقیقت تسلیم کرنا راستے سے بھٹک جانے کے مترادف تھا۔ اس معاملے میں صمد میر باخبر تھے، ان کا مشاہدہ تیز تھا، اور وہ اس سب کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھتے اور جب مشاہدے کی خوشبو تخلیقی توانائی سے ہم آہنگ ہو جاتی تو اس طرح کے نغمے جنم لیتے تھے ؎

ارکھلی[1] نے خالص چندن کے ساتھ بھلا کیا سمجھ کر مقابلہ کیا؟
کون جوہر شناس لعل و جواہر کو کھیلنے کی چیز سمجھے گا؟
گیدڑ شکار کرنے کے لیے نکلے تو سب اس کی تاک میں رہیں گے،
جبکہ شیر کا خاصا چپ سادھ لینا ہے۔
شہباز چھوٹی سی چڑیا کو طعنہ دے

---

[1] ارکھلی: ایک ایسا درخت جس کی لکڑی کو چھونے سے جسم میں چھالے پڑ جاتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تو اس میں بھلا کیا بُرا ہے؟
اصل میں کھرے اور کھوٹے کے درمیان کا یہ معاملہ
کبھی نہ ختم ہونے والا معاملہ ہے۔

رنگ محل کی بالکونی پر اُس کی جگہ ہے
اور اس رنگ محل کا آنگن خلا ہے
اُس کا نہ دیوار و در ہے اور نہ ہی کوئی چھت
یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں سے مجھے بلاوے آئے۔

آسمان پر پرواز کرنے والی اے چڑیا
تو کن بلندیوں کی اور جا رہی ہے
ذرا نیچے کی طرف بھی دیکھ
کوتاہ پرواز ہارہ واتجی (چڑیا)
کی قسمت میں بھلا ایسی بلندیاں کہاں!

شوق سے عاری شخص رنگ و رامش کی لطافت کیا جانے
وہ تو اس اندھے کی طرح ہے جو روشنی اور ظلمت میں تمیز نہیں کر سکتا۔
قیمتی کنٹھ مالا کوّے کو کہاں زیب دے سکتی ہے۔

حساس صمد میر کے لیے کوئی خاص منظر اس قدر پرکشش ہوتا تھا کہ وہ اسے اپنے اندروں میں بسا کر تخلیقی صداقت کا روپ بخش دیتے تھے، چاہے یہ منظر کمہار کے برتن بنانے کا ہوتا یا پھر پرندوں کی چہچہاہٹ کا۔ لیکن اظہار کے لمحوں میں وہ مشاہدے کو اسی زبان کا لباس عطا کرتے تھے جو اس کے لیے مخصوص ہے۔ ایک سچے فنکار کا ہنر اسی بات سے سامنے آتا ہے کہ اس کا بیان کس حد تک مشاہدے کو تخلیقی عمل کا حصّہ بناتا ہے۔ میر جب پرندوں کا ذکر کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ انھوں نے ساری عمر پرندوں کے ساتھ گزاری ہے۔ ان کی شاعری میں قسم قسم کے پرندوں کا ذکر آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فطرت کے قریب رہ کر انھوں نے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس کے تمام تر رنگوں کو اپنی شخصیت میں جذب کیا ہے۔ پرندوں سے میر کو کچھ زیادہ ہی لگاؤ رہا ہے اور ان کی چہچہاہٹ ان کے کانوں میں شانت رس گھولتی رہی ہے۔ پرندوں سے میر کے اس گہرے لگاؤ پر مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جاپان کی ایک زین (ZEN) مجلس میں اس کے بہت سے ماننے والے جمع ہوئے تھے۔ مقرر جب کھڑا ہوا تو عین اُسی وقت ایک جنگلی مینا کہیں سے اُڑتی چلی آئی اور کھڑکی پر بیٹھ کر چہچہانے لگی۔ مقرر نے تقریر نہیں کی بلکہ وہ اس جنگلی مینا کی چہچہاہٹ سُننے لگا۔ مینا جب چہچہا کر اُڑ چلی تو مقرر نے اعلان کر دیا کہ تقریب اختتام کو پہنچ گئی۔ زین مقرر چہچہاہٹ سُن کر خاموش ہو گیا۔ صمد میر نے بھی پرندوں کا شور و غل سُنا اور وہ اُس سے لطف اندوز ہوئے لیکن صمد میر کی انفرادیت اس بات میں ہے کہ پرندوں کی اڑان، ان کے نغموں اور اُن کی چہچہاہٹ کو انھوں نے موتیوں کی طرح شعر کی مالا میں یوں پرو دیا کہ جن لوگوں نے پرندوں کو دیکھا بھی نہ ہو وہ بھی وہی مسرّت حاصل کریں گے جو خود شاعر نے حاصل کی ہے ؎

کیا تم سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ ——
• چمگادڑ نے اپنی دونوں آنکھیں بند کیں
اور خود کو اپنی نظروں میں چھپا دیا
پھر اُس نے خود کو لٹکا دیا۔

• کستور، قمری اور کبوتر طوطے کی طرح بولے
لیکن ایک معمولی سے چھوٹے پرندے (پنیشر کافی) نے
پھر بھی ان کا مذاق اڑایا۔

• شہد کی مکھی سے ایک عام مکھی مخاطب ہو کر بولی
مجھ سے زیادہ کون مصروف ہے؟
تمہاری طرح میرے بھی بال و پر ہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں اپنا حال کیا سُناؤں۔
راج ہنس کے قربان جاؤں
کہ جس کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا ہے
اور جس سے سبھی مشورہ لیتے ہیں
لیکن نہ جانے اس کی عقل کو کیا ہوا
کہ اُس نے اپنی لمبی خمیدہ گردن کی نمائش شروع کی
(جو اُسے صیاد کا شکار بنوا سکتی ہے)

میر کے اس طرح کے اشعار کے مطالعہ سے جہاں ان کے گہرے مشاہدے کا اندازہ ہوتا ہے وہاں ہنستا کھیلتا کشمیر بھی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ جس سے دل کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ باطنی تجربوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کشمیر کے حسن اور یہاں کی تہذیب اور تمدن کی ترجمانی بھی ہے۔ اس میں ہماری تہذیب اور تمدنی زندگی کے ایسے بہت سارے رنگ محفوظ ہیں جو اب ماند پڑنے لگے ہیں۔

اچھی شاعری ہمیشہ زمان و مکان کی قید یا حد بندی سے باہر ہوتی ہے۔ اس طرح کی شاعری ایک ایسا طلسم ہے جو ہر دور کے قارئین اور سامعین کو مسحور کر دیتا ہے۔ مسحور کرنے والی یہ خصوصیت میر کی شاعری میں بھی ہے اگرچہ ان کا تمام تر کلام اس زمرے میں نہیں آسکتا۔ غوطہ خور بھی کہاں سمندر کی تہہ سے ہر بار موتی ہی نکال پاتا ہے۔ موتیوں کے ساتھ ساتھ سنگریزے بھی ہوتے ہیں۔ یہ بات ہر تخلیق کار کے بارے میں دُرست ہے۔

ایک گیت میں وہ کہتے ہیں ؎
اُس نے جب تعمیر آدم کا آغاز کیا
میں کچھ بوڑھا ہو چلا تھا
یہ کل ہی کی بات ہے
کہ وہ ہمارے یہاں تھا
تم ذرا اس کے معنی تو بتاؤ؟

یہی بات دیوان شمس تبریزی میں کچھ اس طرح بیان ہوئی ہے ؎

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عالم نہ بود و من بودم آدم نہ بود و من بودم
ایں دم نہ بود و من بودم من عاشق دیرینہ ام

اور لل دید اس حقیقت کو یوں پیش کرتی ہیں ؎

ہم ہی تھے
اور ہم ہی ہوں گے
ہم ہی ہر دور میں آتے جاتے رہے ہیں
روح اسی طرح آتی اور جاتی ہے
جس طرح سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے

اسی حقیقت کو احد زرگر نے اپنے مشہور "وژن" "انکاری ہو کر میں نے اقرار کیا" میں شعر کا جامہ پہنایا ہے۔

اس قسم کے اشعار کسی کی صدائے بازگشت نہیں بلکہ یہ آواز اس احساس کا اظہار ہے جو صاحب دل حضرات کو بے پناہ مسافت طے کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ صمد میر پر بہت پہلے سرقہ کا الزام لگایا گیا ہوتا لیکن چونکہ وہ پڑھے لکھے نہیں تھے اس لیے اُن پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکا۔ ان پڑھ ہونے کی وجہ سے وہ نقصان میں رہے یا نہیں اس بات سے قطع نظر میرے خیال میں انھیں ایک بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ ان کے تجربوں کی صداقت اور انوکھا پن قائم رہا اور اسی اچھوتے پن نے ان کے کلام کو ایک انفرادی رنگ عطا کیا۔ اگرچہ سبھی صوفی شاعروں نے اپنے اظہار کے لیے وژن کی ہئیت کو اپنایا ہے، لیکن تمام صاحب اسلوب صوفی شاعروں کی شاعری کا اپنا ایک مخصوص انداز، ایک مخصوص برتاؤ اور اپنی ایک مخصوص زبان ہے۔ ایسے صوفی شاعروں میں صمد میر بھی شامل ہیں جن کی زبان، خاص طور پر دوسرے صوفی شاعروں سے، الگ اور مختلف ہے۔ صمد میر پہلے ایسے شاعر ہیں جنھوں نے کسان اور مزدور کی زبان کو ادبی و تخلیقی اعتبار عطا کیا۔ بھولی بسری اور متروک لفظیات، جو لغت باہر رہی ہے، ان کی شاعری میں تخلیقی شعور کی تہہ داری کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ کشمیری کسان اور کاریگر کی زبان کو تخلیقی زبان کا درجہ عطا کرنے سے انھوں نے ایک طرف کشمیری زبان میں وسعت پیدا کی اور دوسری

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

طرف اس کی بدولت شاعری میں ایک ایسا نیا رنگ نمودار ہوا جس میں گھسے پٹے الفاظ کی بجائے ایسے الفاظ استعمال میں آئے جو شاعری یا نثر میں اس سے قبل مستعمل نہیں تھے۔ صمد میر نے جس زبان اور جس لفظیات کو تخلیقی اعتبار عطا کیا اس طرف بڑھے لکھے بہت بعد میں متوجہ ہوئے۔ لیکن حساس صمد میر نے اس بات کو پہلے ہی محسوس کیا تھا ؎

لولیچہ لتہ ستی وتہ بال اُنز نس — تتہ گنہ پاداز اے
سو کھ سان داتھر بل داتناؤنس — تو دس رُود کر بے
مو کھ سریہہ اوسم وار ہو کھناؤنس — ہو کھ وتھ کرنم لائے
پاکہ ونہ اَنہیخ میتہ بیتون بوزھ — انکہ ساتہ ژارنے
دوپہ قسمہ سکھ پیٹہ اُکہ ہے بانس — مو پہ مو پہ ملہ ونہ آے
ہرکس پھیر دتھ چرکس کھاؤنس — تتہ ژارنس اَدبے
ژمہ ژار ستی تقسیم کوڑنم — اکھ تہ بتا کھ بوزان راے
میتہ میتہ کھالتھ ژرچہ پیٹھ کھاؤنس — شیپھ سیتی رُنم ترا اے
شہہ شدوتنہ برتن تھری نم — کاہیہ ستی اُنز نس یے
لُہہ کے پینہ ستی ژھینہ اَدکرنس — تنہ بی بوزان آے
تھر پیٹھ دائتھ پتھر تھاوتھ — جام جم اَدمے چھیے

(کرالہ پد)[1]

ترجمہ :- شوق کے ہاتھوں سے اُس نے مجھے راہِ راست پر لایا / بڑی احتیاط سے اپنے کارخانہ پر لاکر ڈھیر میں رکھا تاکہ بارش کی زد سے بچ جاؤں /

---

[1] نوٹ :- یہاں مصنف کا مقصد ان اصطلاحات کا حوالہ دینا ہے جو مختلف پیشوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اس لیے اصل اشعار کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ "کمہار کی کہانی" میں شاعر صمد میر نے کوزہ گری کے پیشہ سے متعلق کئی اصطلاحات استعمال کی ہیں جو ترجمہ میں مشکل ہی سے پیش کی جا سکتی ہیں

— مترجم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کام کی مٹی سمجھ کر مجھے منتخب کیا/ اور پھر گوندکر دوبارہ ردّ و قبول کے عمل سے گزارا/ میرے الگ الگ ٹکڑے کیے حالانکہ میں اصل میں ایک ہوں/ میرے ایک ایک ٹکڑے کو چاک پر بٹھادیا اور اپنی بات سے مجھے طرح دی/ مجھے شاہی استعمال کے برتنوں کی شکل دی اور (اپنے نور سے) مجھے درست کیا/ اس کے بعد دھاگے سے مجھے جدا کیا اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے/ چاک سے اُتار کر مجھے نیچے رکھا/ لیکن ابھی بہت سا کام باقی ہے کیونکہ جام جم ابھی کچا ہے۔

زو نتھس سیود تہ سادے کرئی تھم کاہ بُرکاہ
نخقے لوسم پادے کووآدے روزے نہ زانہہ [1]

(ترجمہ: تُو نے مجھے سادہ لوح سمجھا اور مجھے چکما دیا/ مفت میں میرے پاؤں چُور چُور ہوئے/ ایسا کیا ہوا کہ تمہارے دل میں میرے لیے محبت نہیں رہی۔)

تزکر تولتھ کیا اور دیتن یے یتھی تھ مانے زون
ہکر بنہ گگرُ زاوتس کیا کھیتون یے تتہ مالین یے میون [2]

(ترجمہ: ترازو میں تول کر اس نے وہاں سے کیا دیا کسے معلوم؟۔ ہاں مگر جس نے اس کے معنی سمجھے/ لکڑی کے ڈھیر میں چوہا گھس گیا تو کیا کھائے گا؟)

تنز تنز سیکہ بُند شاٹھ گنز رُن یے کنز مسلہ میون رچھو تون
برنز پتہ برنز گژھ تنز نارُدین یے تتہ مالین یے میون
سونتھ آوُ چھانن دُیت مے لتسلا کھارن وونم مسلا
شکھ تراو بہ گرے مکتر درأتی کھانے اتھ وَنتہ نے کیا

---

[1] "کاہ بُرکاہ" محاورہ ہے اور چیزوں کو خصوصاً دھان کو تولنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے معنی ہیں وزن یا تول میں گڑبڑ کرکے دھوکہ دینا۔

[2] "ہکر بنہ گگرُ" کشمیری زبان کا محاورہ ہے جو کسانوں کے یہاں استعمال ہوتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بیٚوُل وُوٚ زمیندار نیر پیرِ تھ قبا تتہٕ چھس آب تے ربا
زول دِیہ نیندِ کرٕ بیٚوُل ترِ پانے اتھ ونتہٕ مانے کیا
نیندِ ترادِ ہیٚلہ دزٕ او میزان دلہ کاہ پوختہٕ خام ژھایہ روزیا
لوٗ کتہٕ آم سوران خال کانہٕ پھانے اتھ ونتہٕ مانے کیا [1]

(ترجمہ:۔ تہہ بہ تہہ ریت کے ڈھیر کو گنتا ہے اور لمحہ بہ لمحہ اس جسم کے مکان کو جلا دیتا ہے // کھیتی کا موسم (بہار) آپہنچا تو ترکھان نے مجھے تسلی دی اور آہنگر نے بتا دیا کہ وہ میری ضرورت کے لیے کلہاڑی درانتی جیسے سامان تیار کرے گا // کسان سر پر عمامہ باندھ کر نکلے گا اور بیج بوئے گا، وہاں کھیت میں پانی اور کیچڑ سے اس کا کام ہے، پھر وہ اپنے ہاتھوں سے فالتو گھاس کو نکال پھینکے گا جب دھان کے ننھے سے پودے پانی کی سطح سے اوپر دکھائی دیں گے // پرائی گھاس کو باہر نکال پھینکنے کا دور ختم ہوا، اب دھان کے خوشے نکل آئے، موسم خزاں کے شروع کے دس گیارہ دنوں (میزان) میں فصل پک گئی اور کچی اور پکی فصل کا فرق واضح ہو گیا //

میری بات اختتام کو پہنچی، بہت کم ہوں گے جو اسے سمجھ پائیں گے)

اس طرح کا برجستہ اظہار اور تازہ اور اچھوتی زبان کا برتاؤ کشمیری شاعری میں بہ اعتبارِ خود ایک منفرد نمونہ ہے جس میں کوئی دوسرا کشمیری شاعر، صمد میر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تازہ اور اچھوتی زبان کے برتاؤ نے ان کی شاعری کو تہہ داری عطا کی اور قاری اس کا مطالعہ کرتے ہوئے ایسی ہی مسرت محسوس کرتا ہے جیسی کہ ایک ننھے بچے کو نیا اور خوب صورت کھلونا دیکھ کر محسوس ہوتی ہے۔ میر کی شاعری

---

[1] اس گیت میں جو لفظیات ملتی ہے وہ کاشتکاری سے علاقہ رکھتی ہے اور کسان اور اس کے کھیتی کے کام میں آج بھی استعمال ہوتی ہے۔ صمد میر نے کئی لفظوں کو اپنی متصوفانہ شاعری میں محفوظ کر دیا ہے اور کئی لفظوں کو نئے تخلیقی معنی عطا کیے ہیں۔

— مترجم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا مطالعہ کشمیری زبان میں جستجو کے ساتھ ساتھ پھیلاؤ کا بھی پتہ دیتا ہے جس کی طرف ابھی تک بہت کم توجہ دی گئی ہے۔

میر کی شاعری باطن کی زبان ہے۔ یہ اندروں کی آواز اور روحانی تجربوں کا اظہار ہے، جسے تصوف کا نام دیا گیا ہے۔ تصوف زمانہ قدیم سے ہی ایک زبردست قوت کا درجہ رکھتا ہے۔ اپنے ماضی کے باعث کشمیر میں اس کی بھرپور آبیاری ہوئی اور اسے پھلنے پھولنے کا موقعہ ملا۔ کشمیر میں تصوف کے فروغ کے لیے پہلے ہی سے مہایان اور شیومت نے زمین ہموار کر رکھی تھی اور بعد میں کشمیر کی ریشیت کی تحریک نے اس کو پروان چڑھایا۔ بہت پہلے اسے ایک عالمی تحریک کا درجہ ملا اور انسانیت کے لیے راستہ ہموار کرنا اور اس کی خدمت کرنا ہمیشہ اس کا مدعا و مقصد رہا۔ اس کے بلند پایہ اساتذہ میں رومی، حافظ، عطار اور جامی ہیں جو اپنے وقتوں کے بلند مرتبت بزرگ تھے اور جن کی چشم باطن وا تھی۔ صوفیوں نے جس اخلاقی نظام کی تبلیغ کی وہ اس قدر اعلیٰ اور ارفع تھا کہ وہاں تک صرف خیال کی رسائی ممکن تھی۔ ان کا یقین تھا کہ نیکی بذات خود ایک معاوضہ ہے۔ خود غرض مذہب داروں نے اپنے ذاتی اغراض کے لیے جو نیکیاں کیں انھیں صوفیوں نے رد کیا، اس لیے کہ ان کے ہر فعل کے پیچھے ذاتی مفاد اور دنیاوی غرض و غایت ہوا کرتی تھی۔ تصوف نے مفروضوں اور رکاوٹوں کا خاتمہ کر کے ہر انسان کو احساس دلایا کہ وہ بھی اسی قدر عزت والا اور معتبر ہے جس قدر کوئی دوسرا۔ تصوف کی یہ خدمت قابل استحکام ہے کہ جب قرن وسطیٰ میں جابروں اور ظالموں نے انسان کو غلام بنا کر اُسے پست ہمت بنا دیا تھا تو صوفیوں نے زور دے کر کہا کہ انسان ابدی حقیقت کا ایک جُز ہے اور تمام انسان مساوی ہیں۔ اس سے عام لوگوں کا اعتماد بحال ہوا۔ تصوف اس وقت واحد قابل برداشت (TOLERANT) نظام تھا جب برداشت کا مادہ دنیا سے جلاوطن ہوا تھا۔ دنیا بھر میں انسان دوستی کی اقدار کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں تصوّف نے جو کردار ادا کیا وہی رول کشمیر میں ہمارے صوفی شاعروں، اہل دل حضرات اور بزرگوں نے ادا کیا جن کے پیش رو للّ دید اور حضرت شیخ العالم تھے۔ کشمیر کے مخلوط تمدن کا حسین و جمیل اور قیمتی اثاثہ،

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

علاوہ اور چیزوں کے، صوفی نغموں کا وہ انمول سرمایہ ہے جو ہم تک پہنچا ہے، ہم سب کو پسند ہے اور جس کا مضراب دل کے تاروں کو چھیڑتا ہے۔

صمد میر ایک رندِ باصفا ہیں۔ زاہد کا زہد نہ انھیں راس آتا ہے اور نہ ہی پسند ہے اس لیے کہ زاہدوں کی ریاضت اور عبادت مقصدی ہوتی ہے۔ اس میں غرض شامل ہوتی ہے جس کی طرف حضرت شیخ یہ کہہ کر اشارہ کرتے ہیں ؎

جنّت کی آرزو
اور جہنم کے خوف
کی وجہ سے
میرے اللہ
یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے ہیں

اور لل دید کہتی ہیں ؎

یہ مندر بھی پتھر کا ہے
اور اس میں رکھی ہوئی مورتی بھی پتھر کی ہے
اوپر سے نیچے تک دونوں ایک
ارے او چالاک پنڈت
تو کس کی پوجا کرے گا؟
اپنے جسم و روح کو ایک کر لے!

چالاک پنڈت (ہوٹہ بٹہ) کہہ کر لل دید اُن لوگوں سے مخاطب ہیں جو ظاہر داری اور رسموں رواجوں سے چپکے ہوئے ہیں اور جن کے من کا میل دُھلا نہیں ہے۔ اپنی فطرت کو انھوں نے ذکر و اذکار سے صاف نہیں کیا ہے۔ صمد میر کو بھی زاہد کا یہ برتاؤ پسند نہیں کیونکہ زاہد ابھی وحدت کی منزل کو نہیں پہنچا ہے جبھی تو اُسے نر اور مادہ الگ الگ نظر آتے ہیں اور روح کے مقابلے میں وہ جسم کی طرف متوجہ ہے۔ لیکن میر حقیقت سے باخبر ہیں، انھیں معلوم ہے کہ جسم مقصد نہیں بلکہ محض ایک ذریعہ ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

زاہدا تو اپنی سُنا
تجھے کیا معلوم کہ نر اور مادہ مختلف نہیں بلکہ ایک ہیں،
عاشق کے لیے جسم تو بس ایک پاپوش ہے۔
تجھے سمجھانے سے کیا حاصل کہ تجھے بھول جانے کی عادت ہے۔

میر کو معلوم ہے کہ بار بار یاد دلانے پر بھی زاہد بھول جائے گا کیونکہ وہ عاشق نہیں بلکہ تماشہ بین ہے اور تماشہ بین اور عاشق میں بہت فرق ہے۔ اسی لیے صمد میر کو منصور کی راہ پسند ہے جو عشق میں ڈوب کر وہی بنا کہ جو بننے کی اُسے تمنّا تھی۔ دوئی مٹ گئی اور دنیا داری سے ماورا ہو کر اس نے وحدت کی آواز بلند کی۔ اس آواز یا نعرے نے میر کو متاثر کیا ہے۔ وہ زاہد سے بھی کہتے ہیں کہ عشق کی دنیا انکسار، نرمی اور سپردگی کی دنیا ہے اور اس مقام پر پہنچ کر نفرت کو ختم کرنا اور غرور کو تج دینا ضروری ہے ؎

اے زاہد تو غرور کے بام سے نیچے اُتر
عشق تو کچھ اور ہی شے ہے
لُو لُو مست چرسی کی طرح لطف اٹھا رہا ہے
کچھ بن جانا ہے تو منصور بن
اور پھر سامنے آجا!
اپنے سبھی حواس کو یکجا کر کے
اندر کا سنگیت سُن!

مقامِ منصور تک پہنچ کر دوئی ختم ہو جاتی ہے اور انسان کے جسم کے جن اعضاء کو الگ الگ فرائض سونپے گئے ہیں ان میں ایک ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ سالک کو وہ قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ کانوں سے دیکھنے اور آنکھوں سے سننے لگتا ہے۔ حواس کی تقسیم بے معنی بن جاتی ہے اور ان کے درمیان سبھی حائل پردے جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بیان کرنے کی نہیں بلکہ محسوس کرنے کی ہے۔ اس طرح کے تجربوں کو اظہار بخشنا کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن میر اس تجربے کو بھی اپنے انداز میں اظہار کا لباس پہناتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وحدت کو دیکھ
کہیں بھی کوئی دوئی نہیں ملے گی
ذات اور ذرّہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں
منصور نے (اسی لیے) انا الحق کا نعرہ بلند کیا
جو آج تک گونج رہا ہے۔
تو آنکھوں سے سُن لے
تمہارے سارے شکوک دُور ہوں گے۔

لیکن زاہد، میر کی بات سُننے والا کہاں؟ وہ اپنے علم پر نازاں ہے اور اپنی جھوٹی مذہبیت پر اِتراتا ہے۔ اگر عشق نے ذرا سا مس کیا ہوتا تو کہاں اتراتا، حالانکہ میر اُسے احساس دلاتے ہیں ؎

میں تم سے صاف صاف کہہ رہا ہوں
ذرا ذہن نشین کر
اپنے علم پر گھمنڈ نہ کر
یہ تمہارے کاندھوں پر فضول کا بوجھ ہے
کہیں یہ تمہیں بے قصد مار نہ ڈالے۔

دُنیوی علم اُس علم سے مختلف ہے جو اپنے وجود کو پہچاننے میں دستگیری کرتا ہے۔ دُنیوی علم تو اسکولوں کالجوں میں حاصل کیا جاتا ہے لیکن روحانی علم یا علم باطن مرشد کا دامن پکڑنے اور اپنے اندرون میں ڈوب جانے سے حاصل ہوتا ہے ؎

باطن کا علم ہی اصل میں علم ہے
جس سے میرے سارے شکوک دور ہو گئے
اور حقیقت میرے سامنے لباس مجاز میں آگئی
میں کسی کے سامنے اِترایا نہیں۔
علم کی اس دولت سے مجھے محبوب نے آراستہ کیا

میر کو اس بات پر ناز ہے کہ حصول عرفانِ ذات کے لیے انھوں نے مرشد کا دامن پکڑا لیکن دُنیوی علم کے حصول کے لیے وہ کسی کے دست نگر نہ رہے۔ معرفت

CC-0. Jammu & Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی مے پینے کے بعد اُنھیں اس علم کی کیا ضرورت تھی جو صرف لکھنے پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ؎

علم اُسی کو ہے جسے علم باطن حاصل ہے
اللہ اُسی کو پیارا سمجھتا ہے
اُس جگہ نہ لکھنا ہے، نہ پڑھنا
اور اس جگہ شور و غل مچانے کی گنجائش بھی نہیں
علم کے چودہ شعبوں پر دسترس کے باوجود
وہاں تک رسائی ممکن نہیں ہوتی
جس پڑھنے سے صاحب ملے
وہ پڑھنا ہے اور

میر کے یہاں ہی نہیں بلکہ عام صوفیوں کے یہاں بھی ایسی عبادت کی کوئی اہمیت اور افادیت نہیں جو کسی ذاتی مقصد کے تابع ہو۔ میر نے اس نکتے کا اظہار یوں کیا ہے ؎

طمع کی عبادت وہاں جمع نہیں ہوتی
یہ کاندھوں پر فضول کا بوجھ ہے
طمع تو تباہی ہے، اس کی جمع کیا ہوگی
تم دو کو کیوں کر چار گنتے ہو
وہاں پہنچ کر تو چھ کو بھی تج دینا چاہیے
اور صرف ایک سے سروکار رکھنا چاہیے
جس پڑھنے سے صاحب ملے
وہ پڑھنا ہے اور

آج سے لگ بھگ سو سال پہلے شیو شاعر لچھ کاک نے کہا ہے ؎

وید اور آگم پڑھ پڑھ کر
پڑھے لکھے بہرے ہو جاتے ہیں
ان پڑھ ہی چاروں ویدوں اور پرانوں کا خالق ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"آ" برہم شبد ہے
اسے پڑھ اور اُس کا راستہ جان لے
سچے دل سے اوم کا ورد کر
اور اپنے من میں ڈوب جا
ممکن ہے تمہیں اُس سے شناسائی ہو سکے

لچھ کاک کا ذکر آیا تو میرا ذہن میر کے شاستری کلام کی طرف متوجہ ہوا۔ دوسرے صوفی شاعروں کی طرح انھوں نے شاستر کہا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

غلط سوچ کی بجائے
بھگوان کے چرنوں میں پناہ لے
ثواب اور گناہ کو تج کر
وحدت میں ڈوب جا
صمد نے شاستر جیسا کہا
جپ لے اوم سو، جپ لے اوم سو

لفظ "شاستر" کے معنی عام طور پر سنسکرت الفاظ و تراکیب کے استعمال کے بتائے گئے ہیں لیکن یہ درست نہیں۔ لفظ "شاستر" ایک ہمہ جہت لفظ ہے اور اس سے حکم، پہچان اور قاعدے کے علاوہ فلسفہ، سائنس اور ادب بھی مراد ہے۔ اس اعتبار سے شاستری شاعری کی حدود میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمارے صوفی شعرا نے شاستری شاعری اس لیے کی ہے کہ انھیں سنسکرت سے جو اصطلاحیں ورثہ میں ملی تھیں ان کی تہہ دار متبادل اصطلاحیں کشمیری میں دستیاب نہیں تھیں۔ صمد میر بھی اس ورثہ کے حصہ دار تھے، اور ایک ایسے حصہ دار کہ جس نے اپنے حصے میں آئے ہوئے ورثہ میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ انھوں نے شاستر اصطلاحات کو جس کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے اس سے نہ صرف ان کی ذہانت کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس بات پر رشک بھی آتا ہے کہ تجربوں کے اظہار کے لیے انھوں نے کس ہنرمندی کے ساتھ یہ اصطلاحیں اشعار میں استعمال کی ہیں ؎

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کلام کرنا تمہارا حق ہے
تو اس سے لگاؤ رکھ
جبھی تو اے سادہ دل، وہاں سے جواب ملے گا
من میں ڈوب جا اور ایشر کو پالے

پہلے اہنکار کو مار ڈال اور پھر اسرار سے آگاہ ہو جا
مفت میں گہرائی کی شے کو مت گنوا
نروان کے مقام پر تو گناہ و ثواب بے معنی ہو جاتے ہیں

اُس کی پریت کو من میں بسا کر
اب کس عمل کی ضرورت ہے
چھ مقامات کو طے کر کے بھی
کیا مجھ سے حساب طلب کیا جائے گا۔

کپٹھ، اہنکار کے تین رنگوں کی میں نے گردن مروڑ دی
یہ چوتھا رنگ تو میرا سہارا ہے
اس پٹ کو جیسے کسی چور نے تاراج کیا
من کے راجہ کو میں نے آنند کے ساتھ رخصت کیا۔

صمد میر کے شاستری گیتوں کے مطالعے سے لیلا لکھنے والے ایسے بیسیوں شاعر یاد آتے ہیں کہ جنھوں نے عمر بھر لیلائیں لکھیں لیکن وہ میر کی ہم سری نہیں کر پاتے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ میر کے سارے کلام (جس میں شاستر بھی شامل ہے) کی پشت پر محسوس کرنے کی صداقت اور تخلیقی قوت ہے جب کہ دوسروں کو یہ چیزیں میسّر نہیں تھیں۔ میر کے قادر الکلام شاعر ہونے کا احساس ان کے نعتیہ کلام سے بھی ہوتا ہے۔ ان کی نعتوں میں پیغمبر اسلام کے تئیں عقیدت کی سچائی ملتی ہے، ساتھ ہی لے اور اس کا زیر و بم متاثر کن اور شایان شان ہے۔ ایک ایک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لفظ انکساری سے مملو ہے۔ میر کی شاعری میں شروع سے آخر تک جو خلوص پایا جاتا ہے وہی خلوص ان کی نعتوں میں بھی موجود ہے لیکن عقیدت کی صداقت نے ان نعتوں کو با اثر بنانے میں خاص رول ادا کیا ہے۔

یا محمد مصطفےٰ ؐ
آپ کے قد کو میں نے بہت بلند پایا
حد و لاحد عرش اعلیٰ سے بھی بلند
آپ ؐ کا پاک نام زبان پر لینا کوئی آسان کام نہیں
اس کے لیے مجھے عطّار کے پاس جا کر
اپنی زبان کو صد ہزار بار صاف کرنا چاہیے
آپ کو ذات پاک نے پیدا کیا،
(ہم اِس کے لیے اس کے شکر گزار ہیں)
آپ ؐ نہ ہوتے تو پھر دنیا میں کیا ہوتا
آپ ؐ سب سے آگے، سب کے پیشوا ہیں
یا محمد مصطفےٰ ؐ

یا شاہ رسول عربی ؐ
تم پر درود و صلوٰۃ
اللہ نے تمہیں وحی عطا کی
اور ختم النّبی کہا
اے شاہ میری طرف ایک نگاہ کرم ہو
کہ جس سے پیتل سونا بن جائے
اور مردہ دلوں کو زندگی مل جائے

اے ہوا
مدینے کی راہ لے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور میرا حال حضورؐ کے گوش گزار کر
میرے شکوے اُن کے سامنے رکھ دینا
اور سرورِ دو جہاںؐ سے کہہ دینا
کہ ایک مفلس نے مجھے بھیجا ہے
جو بے یار و یادر ہے۔

اپنی شاعری کو نکھارنے سنوارنے کے لیے جہاں میر نے یہاں وہاں تشبیہوں، استعاروں اور تکرار لفظی وغیرہ کا استعمال کیا ہے وہاں انھوں نے تلمیحات اور اسطور کے زیور سے اشعار کو سجا کر اور یوں ان کی دنیا کو وسعت دے کر غور و فکر کا سامان بھی بہم کیا ہے۔ اور اس طرح ان کی شاعری مصوّری کا ایک ایسا نمونہ بنی ہوئی ہے جسے مختلف زاویوں سے دیکھنے پر الگ الگ منظر یا صورت ملے گی ؎

سگ اصحاب کہف کی طرح اپنے محبوب کے ساتھ وفاداری نبھا
اگر ہو سکے تو پہلے دوئی کے پردوں کو اتار پھینک

راج ہنس کبھی تھک نہیں جائے گا
اور آسمان کی بلندیوں میں اڑے گا
ہر طرف موتیوں کی بارش کر دے گا
لیکن گبرولا تو ایک ٹانگ پر
بس زمین پر چلے گا
آسمانوں کی سیر اس کے بس میں نہیں

اپنے آپ سے گزر جا
اور یہ جاننے کی کوشش کر
کہ شیو کیا ہے اور شیطان کیا ہے
—— خدا کو اپنی آنکھوں سے کس نے دیکھا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ سوچ کر کہ میں سب دکھ درد برداشت کروں گی
وہ ناگ ارجن مجھے چھوڑ کر چلا گیا
اے نرم و نازک
تمہارے کان کس نے بھر دیے ؟
اور تو گھر میں جا بسی
تم تو جیسے لوکہ بھون کی گونگی تھی ۔

اے رِتی
تو شمشاد قامت ہے اور تیرا تن
اس قدر بلوّریں ہے
کہ سیماب بھی شرما جاتا ہے
تمہارا سینہ آئینہ ہے اور تمہاری چھاتیاں انار جیسی خوبصورت ہیں
ذرا وہیں سے میری اور دیکھ لے ۔

صمد میر کی شاعری روح کے زیر و بم اور حواس کے دلنشین نغمے سے عبارت ہے۔ اس میں نہ مصنوعی پن ہے اور نہ ہی دکھاوا۔ الفاظ کا برتاؤ اس قدر برمحل ہے کہ ایک بھی لفظ کو اِدھر اُدھر کرنے کی گنجائش اس میں نہیں۔ ہاں کہیں کہیں قاری کو لفظوں کا ہیر پھیر محسوس ہوتا ہے جو دراصل اس کاتب کی غلطی ہے جو صمد میر کے کہے کو کاغذ پر ٹھیک طرح سے نہیں اتار سکا ہے۔ ورنہ میر نے تو ایک کاری گر سُنار کی طرح ہر لفظ کو چُن چُن کر استعمال کر کے شعری تخلیق کی تعمیر کی ہے۔ کئی جگہوں پر تخلیقی بہاؤ بہت تیز ہے جو قاری کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے۔ کئی موقعوں پر اشعار کی تخلیق اس مہارت سے ہوئی ہے کہ قاری کو ہر شعر کے بعد سوچنا پڑتا ہے کہ شاعر نے کیا کہا ہے اور میرے پلے کیا پڑا۔ میرے خیال میں اچھے شعر کی پہچان یہ بھی ہے کہ شعر سن کر یا پڑھ کر سوچنا پڑے اور ذہن پر زور دینا پڑے تاکہ آگہی کے دروازے وا ہو جائیں۔ میر کی شاعری میں شستی کلا کا سواد بھی ہے اور منوّر باطن کی روشنی بھی، لیکن ان اوصاف کے باوجود اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ شاعری

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔ اس میں تبلیغ کا عنصر نہیں کوئی مقصد ہے تو یہ کہ قاری اور سامع شاعر کے تجربوں میں شریک ہو جائیں۔ ہاں، صمد میر نے ہر موڑ پر یہ احتیاط برتی ہے کہ شاعری کہیں بنیادی رو سے دور نہ ہو جائے۔

راہِ حق کے مسافر، میرؔ ایک انسان تھے، سماج میں رہنے والے انسان۔ زندگی کی تلخیوں کا انھیں بھی احساس تھا۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ "صرف دیوتا یا بھوت پریت ہی معاشرے سے الگ رہ سکتے ہیں"۔

میرؔ ایک بدلتے ہوئے معاشرے کے حساس فرد تھے اور جو بے راہ روی ان کے ماحول میں فروغ پا رہی تھی اس سے وہ کیوں کر اور کیسے دُور رہ سکتے تھے!۔ شکست و ریخت کا یہ عالم دیکھ کر وہ بھی پریشان ہوئے اور انھوں نے احساس دلایا ؎

- آج بھی دُکان دار متواتر فریضہ حج ادا کر کے
لوٹتا ہے، تو کم تولتا ہے۔
چار کی جگہ تین ہی من تولتا ہے
اور بچارا گاہک ٹھگا جاتا ہے
تمہارا بچپنا ابھی تک گیا نہیں!
- بزازوں کا حال تو اس سے بھی زیادہ بُرا ہے
چار گرہ کپڑا لائیے تو اس میں بھی گرہ کم ہوگی
معمولی سے کھردرے کپڑے کو نباتِ کُرش کہتے ہیں
تمہارا بچپنا ابھی تک گیا نہیں!
- تمہاری عبادت گزاری اور ذکر و اذکار کا کیا کہنا
تو شب بیدار بھی رہتا ہے اور روزہ دار بھی
لیکن یہ سب دکھاوا ہے
تمہاری زبان ذکر و اذکار سے تھکتی نہیں
لیکن تمہارا عمل ایسا ہے کہ تو
بے دردی سے ظلم ڈھاتا ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تمہارا بچپنا ابھی تک گیا نہیں!
زمانہ اس قدر سخت ہے کہ گویا
آسمان لکڑی کا اور زمین لوہے کی ہے
امانت کیا ہے اور امین کسے کہتے ہیں
ہم نے نہیں جانا
بیٹا اپنی ماں کو ساس کہہ کر پکارتا ہے
پر تمہارا بچپنا ابھی تک گیا نہیں۔

یہ تضمین حسب حال ہے۔ یہ شہر آشوب کیا ہے ایک زیر و زبر کا عالم ہے۔ کوئی شے اپنی جگہ پر قائم نہیں، یہاں قدروں کی شکست و ریخت ہے، انسانی ہمدردی کے تمام چراغ بجھ گئے ہیں۔ اگرچہ یہ شہر آشوب کم و بیش تیس سال پرانا ہے لیکن آج کے دور میں بھی اپنی وہی معنویت رکھتا ہے۔ تیس سال قبل میر کو اپنے معاشرے کی اس حالت سے جنون ہوا تھا اور اگر وہ آج زندہ ہوتے تو گریباں چاک کرتے۔ آج کے مقابلے میں میر کے زمانے میں مغربیت کا سیلاب اس قدر شدید نہیں تھا۔ میر کا دور قدیم و جدید کے آپسی تصادم اور تضاد کا دور تھا اور یہ تضاد و تصادم ۱۹۴۷ء کے بعد اور زیادہ شدید ہوا۔ میر نے قدروں کی صورت میں جو کچھ سوچا سمجھا اور قبول کیا تھا وہ سب کچھ زمین بوس ہو گیا۔ سب کچھ بکھر گیا اور اس بکھراؤ میں راستہ تلاش کرنا بڑا مشکل ہو گیا۔ انھوں نے اپنی تمام عمر ایک انداز سے گزاری تھی اور جب عبوری دور کا سامنا کرنا پڑا تو وہ سمجھوتہ نہ کر سکے۔ سمجھوتہ کرنا ممکن تھا بھی نہیں کیونکہ شاخ سبز مڑ سکتی ہے لیکن سوکھی ٹہنی کو موڑنے کی کوشش کریں تو ٹوٹ جائے گی۔ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے تباہ ہوتے ہوئے دیکھ کر میر نے درد بھرے لہجے میں کہا ؎

مچھر ہاتھی سے ٹکر لینے نکلا
لومڑی شیر کو آنکھیں دکھانے لگی
اور گیدڑ شمشیر باز بن گیا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میرے پیارے کچھ دیر اور ٹھہر!
دل کی بیماری تو ریحان سے دُور ہوتی ہے
پر بچھو بوٹی کو دیکھ کہ کس قدر اِتراتی ہے
ندی اور سمندر کا بھلا کیا مقابلہ!
میرے پیارے کچھ دیر اور ٹھہر!

چوپٹ دوڑنے والے گدھے کو
قصائی نے ذبح کیا
افواہ تو یہی تھی،
قصائی اس کا وزن کیا کرتے
انھوں نے اسے ایسے ہی فروخت کر ڈالا!
ہاں لل کے حصے میں جو پتھر ہے
وہ جانے والا نہیں۔

صمد میر کشمیری زبان کے ایک بڑے شاعر تھے۔ اُن کی شاعری وقتی نہیں بلکہ یہ ہر دور میں سدا بہار ثابت ہوگی۔ صوفی شعراء میں وہ اسی قدر بڑے شاعر ہیں جس قدر نغمہ صاحب یا شمس فقیر بڑے ہیں۔ ان کے نغمے پچھلے پچاس برسوں سے گونج رہے ہیں اور لوگ ان نغموں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ صمد میر کی مقبولیت کسی طرح کم نہیں ہوئی ہے کیونکہ ان کے مہکتے ہوئے نغموں میں وہ سرمدی سرور ہے جو سننے والے کو ہمیشہ نئی نئی سرحدوں کی سیر کراتا ہے۔

صمد کی تمام تر شاعری یا تو "وژن" ہے یا "پد"۔ بعض تخلیقات غزل کی صنف کے قریب ہیں لیکن غزل نہیں ہیں، تاہم انھوں نے روایتی اصناف کو ایک تازگی اور ایک نیا پن عطا کیا جس سے "وژن" کی کائنات کی تزئین ہوئی اور سبھوں کو اس کے امکانات کا سُراغ مل گیا ؎

صمد میر کے پاس جو سب سے بڑا اسرار ہے
وہ اس کی شاعری میں ہے جو اعلیٰ ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تو بتا کہ تمہارا مقام کیا ہے۔

اسرار کو شعر بنانے کے لیے جودت بھی چاہیے اور شاعرانہ حوصلہ بھی۔

اکہ نندُن

صمد میر کا ایک اور کارنامہ "اکہ نندُن" ہے جو انھوں نے چودہ حصوں میں کہا ہے۔ "اکہ نندن" اور بھی کئی شاعروں نے کہا ہے لیکن صمد میر کے "اکہ نندن" میں اسطوری فضا اس قدر گھنی اور شدید ہے کہ قاری پُراسرار دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ "اکہ نندن" کی بنیادی داستان تمام شاعروں کے یہاں ایک جیسی ہے لیکن پھر بھی شاعر کی انفرادی سوچ قصہ یا داستان کی سطح کو متاثر کر گئی ہے۔ اصل تمثیل کے کرداروں کے نام کیا ہیں؟ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں کیونکہ یہ قدیم کشمیری تمثیلی قصہ ہم تک زبانی بیان کی صورت میں سینہ بہ سینہ پہنچا ہے۔ مرزا اکمل الدین بدخشی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس قصے کو فارسی میں لکھا ہے اور شاید وہیں سے یہ قصہ کشمیری زبان میں متعارف ہوا ہے، اس لیے کہ، سوائے زبانی بیان کی روایت کے، یہ اوّلین تحریری شہادت ہے۔

صمد میر کی اس شعری تخلیق میں اکہ نندُن کے باپ کا نام ہرنام اور ماں کا نام سونہ مال ہے۔ احد زرگر جوگی کو مادر کے نام سے پکارتے ہیں جب کہ میر کے "اکہ نندُن" میں جوگی کا نام "گوسائیں" ہے۔ دراصل صمد میر کو "اکہ نندُن" میں اُسی بات اور انہی واقعات کو دہرانا ہے جنھیں انھوں نے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ "اکہ نندن" میں گوسائیں شیو کا روپ معلوم ہوتا ہے اور صمد میر آٹھویں حصہ یا فصل میں ایک اور نکتے کی وضاحت کرتے ہیں:

جلوہ دکھا کر چھُپ جانا
تمہارا ہی کرشمہ ہے،

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اے صمد میر
جو کچھ باہر ہے وہی اندر بھی ہے
آنے جانے کا یہ سلسلہ
ختم ہونے والا نہیں

——— عزت والا گوسائیں ہمارے آنگن آیا ہے۔

خود شناسی صمد میر کے "اکہ نندن" کا لُبِ لباب ہے اور اس میں ذاتی تجربوں کے کئی نمونے نظر آتے ہیں۔ میر کے "اکہ نندن" کا خاص وصف یہ ہے کہ اس کا نصف حصہ مثنوی کی صورت میں ہے اور باقی نصف "وژن" کی ہیئت میں۔ اس تمثیل کے بیان میں ہندو دیو مالا کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے جس سے وہ پُر اسرار فضا اُبھری ہے جس کی جانب پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ میر کی دوسری تخلیقات کی طرح ان کے "اکہ نندن" میں بھی اظہار کا ایک الگ پیرایہ ملتا ہے۔ "اکہ نندن" کہہ کر بھی میر نے دراصل اسرار و رموز ہی بیان کیے ہیں لیکن ان کے لیے کوئی صاحب فہم چاہیے۔

مرزا اکمل بدخشی (۱۶۴۵ء ——— ۱۷۱۹ء) کے بیان کے مطابق "اکہ نندن" کی داستان اُن کے دور میں بھی بے حد مقبول تھی اور گانے والے اس کے منظوم روپ کو صوفیوں اور درویشوں کے سامنے گایا کرتے تھے اور اسے سن کر وہ مست ہو جاتے تھے۔ مرزا اکمل بدخشی بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس داستان کا منبع کشمیر ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ "اکہ نندن" کے بارے میں صاف طور پر کہتے ہیں کہ

"ایک کشمیری کتاب میں ایک ایسی داستان ہے جو سالکوں کی رہبر ہے۔ خدا کی تلاش کرنے والے اس داستان کو سچ مانتے ہیں۔ حق کا راستہ تسلیم و رضا کا راستہ ہے اور یہ داستان تربیت حاصل کرنے کے لیے موزون ہے۔ جو بھی حق کے راستے پر چلنے کے لیے نکلے گا اُسے میرے کہے اور ساتھ ہی اس داستان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو سچ ماننا چاہیے۔"

مرزا الکمل کا بیان واضح ہے کہ سترھویں صدی عیسوی میں کشمیری "اکہ نندن" تحریری صورت میں موجود تھا۔ پروفیسر گردھاری لال تکو لکھتے ہیں کہ "اکہ نندن" لفظ "اک آنند" (یعنی وحدت کا آنند) کا کشمیری روپ ہے اور ان کے بقول "اکہ نندن" کی داستان جرمن اسطور میں پائے جانے والی ایک کہانی "DER RIESE AND DAS KIND" سے مطابقت رکھتی ہے۔ میرے خیال میں "اکہ نندن" سیدھے طور پر "اک نندن" لفظ کی کشمیری شکل ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

منتخب کلام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

روف[1]

اے ماہِ نو کے ہلال
مجھ سے مت چھُپ جا
سارا دن میں نے تیرے انتظار میں کاٹا
اور تُو ہے کہ ابھی تک روٹھا ہوا ہے
اے ہوا، میں تیرے پاس آؤں اور
محبوب کے شکوے تیرے حوالے کروں
کہ جس کے دریا سے میں زلال پینا چاہتی ہوں
خوب صورت پیا ذرا خوبرو ہرنوں کو دیکھ لے
باغ میں داخل ہو جا اور دیکھ کہ گل لالہ کے سینے پر کتنا بڑا داغ ہے
مجھ بے مثال کو اس نے کمزور جان کر اسیر کر دیا
آ اے کالے سونے کے خلال میں تجھے گریباں میں جڑ لوں

---

[1] "روف" اُس گیت کو کہتے ہیں جو کئی عورتیں ایک ساتھ مل کر اور رقص کرتی ہوئیں تہواروں پر خصوصاً عید کی شام کو گایا کرتی ہیں۔

نوٹ :— اس مونوگراف میں درج کلام صمد میر کا مستند کلام ہے۔ یہ کلام اس واحد مخطوطے سے لیا گیا ہے جو اُن کے سامنے مرتب ہوا تھا، انھوں نے اسے خود سُن کر اس کا انتخاب کروایا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مجھ میدان کی مٹی کو اے کمہار تو نے بڑی احتیاط سے لایا
اور عشق کے کارخانے میں بڑے خوب صورت برتنوں کا روپ دیا۔
میں پُرانے خیالوں کی قائل نہ جانے کس رو میں بہہ نکلی تھی
لیکن اے بلال تمہارے بُلانے پر میں واپس آگئی۔
وہ جانِ جان گھر سے چل نکلا ہے، اور صمد میر
اس کے لیے ہمہ تن انتظار ہے
کیونکہ اُس کے آسرے کے بغیر میں کہہ ہی کیا سکتا ہوں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"وژن"

آروں کے نرم و نازک پھول جیسا میرا بدن آگ میں جل گیا
میرے پیا کچھ دیر کے لیے رُک جا
کہ اس جھلسے ہوئے بدن کا علاج بس تیرا ہی دیدار ہے۔
میں کر ہی کیا سکتی ہوں
کہ میں ندی کے کنارے کھلی ہوئی کلی ہوں
جس کے پاس حال پوچھنے کبھی کوئی نہ آیا
میں لل دید کی طرح (کھانے کے برتن میں) پتھر کو گوارہ کرتی رہی ہوں۔
جو یہاں شروع ہی میں کھل کر مہک جائے
وہاں کی جاہ و حشمت اُسی کے لیے ہے
کیونکہ وہاں یوں ہی آنکھ بند کر کے نہیں دیا جاتا۔
میرے اللہ تم نے کیئوں کے لیے گھر ہی رکھ دی
یہ تمنّا کس کی بھر آئی ہے
کہ وہ کھائے پیئے اور کچھ بچا کے بھی رکھے۔
میرے یووَن، پھر سے آ اور اپنا مکھڑا دکھا
میں تمہیں اپنی آغوش میں لوں
میں روز تمہارا راستہ تکتی رہی
مچھر ہاتھی سے ٹکر لینے لگا ہے
اور لومڑی شیر کو آنکھیں دکھانے لگی
گیدڑ شمشیر باز بن گیا

لہ "وژن" کشمیری شاعری کی ایک مشہور کلاسیکی صنف کا نام ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انگور کی بیل اوپر تک چڑھ گئی
لیکن اس کے بل کبھی نکلے نہیں
کاریگر بھلا اس کے خم دُور کیسے کر سکتا ہے!
دل کی بیماری تو ریحان سے دُور ہوتی ہے
لیکن بچھو بوٹی کس قدر اِتراتی ہے
ندی اور سمندر کا بھلا کوئی مقابلہ ہے؟
پودینہ کو زعفران سے معطّر کرنے کی کوشش
ایک سعی لاحاصل ہے
ارکھلی چندن کی ہنسی اڑا دے
تو اس کا کیا کیجیے۔
غیر جب غفلت کا شکار ہوا
تو صمد میر کے ہاتھ داؤ آ گیا
اور اس نے کھرے کھوٹے کو الگ کر دیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"وژن"

راز اگر ظاہر نہ ہو تو راز کی بات یہ ہے
کہ بات کی اہمیت ہی جاتی رہی
اسی لیے ہم لرزہ براندام ہیں
نفس کی کتنی ہی پرورش کی جائے
یہ پھر بھی بلکتا ہے
اسی لیے ہم لرزہ براندام ہیں
ہیرا تو پتھر سے نکلا ہے
تو ذرا اس کی پہچان کرلے
تاکہ تمہارے سارے شکوک دُور ہو جائیں
ارے اندھے تم کس دنیا میں رہ رہے ہو
کہ ابھی تک تمہارا غرور نہیں گیا
جوانی کا طائر چہچہا رہا ہے
اور بلندیوں پر اپنی جگہ بناتا ہے
لیکن جب جوانی کا موسم ڈھل جاتا ہے
تو اس کی زبان پر تالے پڑ جاتے ہیں
پروانے نے دل میں یہ خیال کیا
کہ آخر وہاں کی خبر یہاں کیوں نہیں پہنچتی
چنانچہ وہ اصلیت معلوم کرنے گیا
لیکن معلوم نہیں کیوں اُسے بھی وہاں چُپ لگ گئی۔
یہ دنیا کھیتی ہے
ہر وقت اس کی طرف دھیان دے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تاکہ کوئی فساد برپا نہ ہو جائے
قرآن کا فرمان بھی یہی ہے
وہ کبھی اپنے سایہ میں پناہ دیتا ہے اور کبھی دامن پکڑ لیتا ہے
کبھی گداگروں پر کرم کی بارش کرتا ہے
کبھی کھاتا ہے اور کبھی کھائے ہوئے کی قیمت چکا دیتا ہے۔
یہ صمد میر ہی ہے جو بغیر کسی خوف کے اور بغیر کسی غرض کے
سمندر کو کھنگال رہا ہے
تو پھر (اے صمد میر) تو اپنا حال احوال بیان کیوں نہیں کرتا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"وَژُن"

میرے جوبن پر ڈاکہ ڈالنے والے تو مجھے جُل دے گیا
مجھے چھوڑ کر مت جا
تھوڑی دیر اپنے قدم روک لے
رنگین چڑیا کو تُو نے زخمی کر دیا
میں ننگ دھڑنگ نکل کر ہنگامہ برپا کروں گی
اور انصاف چاہوں گی
مجھ جنّت کی حور کو تو نے بھنگ پلا دی
میری بات پر کان دھر کہ میں نے تجھے جھولا جھلایا ہے
باتونی لوگوں کی یہاں جگہ کہاں
اے صبح کے نور کہ تو نے ہر سُو اپنا جلوہ دکھایا
میرے کانوں کی بالیوں کو تُو نے چُور چُور کیا
وہ وقت بھی آئے گا کہ تمہیں ظلم و ستم کی یاد دلاؤں گی
کہ تُو نے مجھے زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔
عشق کے بھنورے، تو میرا دل لے گیا
اور پھر اس طرح میرے تئیں بے پروا ہو گیا
یوں مجھ نرگس کو حسرت و حیرت میں رکھا۔
تو میری بات مان لے اور باز آجا
میں عمر بھی تیری داسی بنی رہوں گی
اور تمہارے لیے ناز سے ساز و سنطور بجاتی رہوں گی
عبادت کر کر کے بھی جس کو شرفِ قبولیت نہ ملے
اُس کی عبادت میں ہی کھوٹ ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاید اُس نے ابھی وحدت اور کثرت کو پہچانا نہیں ہے
میں مجبور و معذور اور خشک لب پڑی ہوں
میرے عشق کے طبیب میں صرف دو ڈھائی پل کی مہمان ہوں
تو نے کس رشک کے جذبے کے تحت مجھے عشق کی شربت پلا دی
کوئی جس قدر ناچے اسی قدر چکراتا بھی ہے
اسی لیے صمد میر چپ سادھ لیے بیٹھا ہے
میں اپنا حال احوال تیرے حضور میں بیان کروں
تھوڑی دیر کے لیے اپنے قدم روک لے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"وژن"

تُو یاسمین اور مسول کے پھولوں کو اپنے گرد جمع کیے ہوئے ہے
اور تُو نے کافی کچھ اکٹھا کر رکھا ہے، چیونٹی کی طرح،
لیکن تیری نرگس تو یہاں تیرے انتظار میں ہے
وہ بس جانے والا نام تو میرے یہاں بسا ہوا ہے
یہ سُن کر ساری کائنات جمع ہوئی
اور میرا کفِ دست کا ایک ایک حصہ کٹ گرا
(شاعر) تمہارے حُسن کی مدح خوانی کرتا ہے
کبھی اس پر مرتا ہے اور کبھی اس کی وجہ سے
آنسوؤں کے دریا بہا دیتا ہے
ذرا سُن کہ کس قدر بے کسی کا رونا روتا ہے!
تو بکاولی کے پھولوں کا متوالا ہے
اور اُن ہی سے رس حاصل کرتا ہے
اور میرا یہ حال ہے کہ
کبھی رنجیدہ ہوتی ہوں اور کبھی شاداں،
میرا سینہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے
اور میرا چہرہ رونی صورت کا ہوا ہے
تمہارے من میں میرے تئیں کون سی دشمنی چھپی ہے
کہ جس کی وجہ سے تم نے مجھے بنجیر بنا دیا
میں تیرے تیر کا پھل اپنے سینہ میں رکھے ہوئی ہوں
میں نے کھُلے دل شمار کیا اور پایا
کہ میں گھٹ گھٹ کر برائے نام رہ گئی ہوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جیسے ایک خرمن گھٹ کر بس ایک مٹھی بھر کا رہ جائے
عشق کی تپش ٹھنڈی نہیں ہو پاتی
اے کہ تو میرا لقمان بھی ہے اور افلاطون بھی
میرا علاج کر
کہ میں جاں بلب ہوں اور تمہارے در پر پڑی ہوں
میں تمہاری تلاش میں تنہا نکلتی لیکن انجان ہوں
اور پھر ماہ تاباں کی طرح چمکتی ہوں
جیسے محبت کی مشعل جل رہی ہو
خوش تن یار کے فراق میں
صمد میر نے اسرار کو پا لیا
اور اسے بڑے اختصار کے ساتھ بیان کیا۔

(یہ گیت (وژن) پہلی بار اس کتاب میں مکمل صورت میں شائع ہو رہا ہے
کلیات صمد میر میں اس کے چند ہی مصرعے درج ہیں)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"وژن"

یاسمین کے پھول جیسا میرا جسم عشق کی آگ میں جل گیا
وہ آجائے کہ میری بیماری دُور ہو
میرا معصوم جگر انگاروں پر لوٹ رہا ہے
وہ آجائے اور اک ذرا میری غمخواری کرے
کہ میں اُسی کی آس لگائے بیٹھی ہوں
اپنے خون جگر سے تیار کی ہوئی ترکاری میں
میں نے اشکوں کا تیل استعمال کیا
اس کے لیے میں پیالیا بھر بھر کے رکھوں
وہ آجائے اور اس ضیافت سے لطف اندوز ہو
وہ اک ذرا رُک جائے کہ میں آزار میں ہوں
میں نے دل کے کباب تیار کیے ہیں
وہ آجائے اور اس نان وگوشت کو تناول کرے
جو میں نے اس کے لیے سجا کے رکھا ہے
وعدہ کر کر کے اس نے میری بے قراری بڑھا دی
کیا میں اس وعدہ خلافی کی مستحق ہوں
کاش وہ کبھی کبھی میری جانب بھی متوجہ ہو
مجھے دُکھ ہے کہ لوگوں نے مجھے سنگسار کیا
لیکن یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں
کہ مجھے بار بار قتل کرتا رہا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کہدے صمد میر کہدے
ہوسکتا ہے وہ تمہاری سُن لے

(نوٹ — یہ گیت (وژن) پہلی بار شائع ہو رہا ہے)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"وژن"

کیا تُم سے کسی نے نہیں کہا
کہ میں نے ساری عمر تمہاری راہ میں گنوادی اور وہ بھی تنِ تنہا !
اور کیا تُم سے کسی نے نہیں کہا
کہ (اس راہ میں) بارہا ایسا بھی ہوا کہ میں نے کھانا پینا تک چھوڑ دیا۔
یہ اندھیر نگری ہے کہ مٹی اور شہد کا ایک ہی بھاؤ ہے
اور گھوڑوں کی پرورش گوشت سے ہو رہی ہے
بھلا کبھی شیر کو گھاس کھلائی جاتی ہے
میں اس نعش کو جلا کر باہر نکل آیا
اور میں نے اپنی منزل کو دیکھ لیا
کہ جہاں اندھا، بینا لوگوں کی نگہداشت کرتا ہے
گیدڑ ڈینگیں مارتا اور جنگل جنگل پھرتا رہا
لیکن وہ بھلا کب پھراٹے بھر سکتا ہے
اس راز کی تھاہ لے اور غور کرے
فانی تو وہی ہے جو خود کو فراموش کر چکا ہو
اُس کا ہمارے ساتھ بھلا کیا سروکار
چمگادڑ نے اپنی آنکھیں بند کر دیں
اور یوں اُس نے خود کو چھپا لیا
—— (اس عمل میں گویا) اُس نے خود کو لٹکا دیا
قمری، کبوتر اور طائر صبح نے طوطے کی طرح بولنا شروع کیا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لیکن اس حقیر پینٹر کانی[1] نے پھر بھی ان کا مذاق اڑایا
لے دیکھ کہ میر صمد خود سے روٹھ گیا
اور نمبل ہار میں گوشہ نشیں ہوا
کیا تم سے کسی نے نہیں کہا
کہ اس کا جامۂ زریں کیونکر اس قدر پتلا ہو گیا۔

---

[1] ایک انتہائی چھوٹے پرندے کا نام۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاستری گیت

سچ گرو سے میل ملاپ
پاتال، آکاش اور شش جہات پر محیط ہے
اپنے چت گھوڑے کو قابو میں رکھ اور اُس کا گیان پا۔
اپنے من سے چھل کپٹ کو نکال باہر کر
اور اپنے ہٹ یوگی کو محفوظ رکھ
پھر زبان سے نکلی ہر بات سچ ثابت ہوگی
گیان اگیان سے اوپر اُٹھ
نِش کام کرم میں تیرا فائدہ ہے
نرمل کا سُکھ پالے اور عین ذات ہو جا
اس دنیا میں تو کوشش کر
کہ تیرا پرلوک سنور جائے
اور تو وہاں کامیاب ہو جائے
یوں تمہیں جہنم کے عذاب سے نجات ملے گی
مریادا کا راجہ بیدار ہے
ستیہتی کے عالم میں تو اندر کا سنگیت سُن
اور خدا کے نام کا ورد کر
نادر نے مجھے سبق دیا
کہ سیماب من کو قابو میں رکھوں
اور جنسی خواہشوں کو ختم کر کے
سِدھی حاصل کروں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لالچ نے مجھ سے آنند چھین لیا
اور برہما جو ازلی وابدی حقیقت ہے
مجھ سے دُور ہو گئی
پھر مجھے حق پر چلنے کا پیغام ملا۔
من کا راجا اڑان بھر دے گا
میں حرص کا شریر اُس پر قربان کروں گا
کہ میری اصل تو مجھ کا سنگیت ہے
عمل سے ہر چیز مل جاتی ہے
تقدیر کے بارے میں کہا جائے تو کیا؟
صمد میر تمہارے ساتھ تو تمہارا عشق ہے
جو پاتال آکاش اور شش جہات پر محیط ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"وُژُن"

عشق میں میرا یہ دل اپنے ہوش کھو بیٹھا
پھر بھی میں اُسے نہیں بھولا
کیسے کیسے میں اس دل کو جلاتا رہا
پھر بھی میں اُسے نہیں بھولا
لے دیکھ کہ میں تیری راہ تکنے نکلی
یہ برہ کی ناگن مجھے ڈستی ہی رہتی ہے
کیا میں سپت رشیوں کے پاس جا کر تمہیں تلاش کروں
گونگے اور بہرے بڑا اترا کے چلتے ہیں
اور اندھے کو سایہ دکھائی دیتا ہے
اور جو معذور ہیں وہ لوگوں کی چھتوں پر اچھل کود کر رہے ہیں۔
میرے یوون کا چور دُور ہی سے للچاتا ہے
اور مجھے اس پر رونا آتا ہے
وہ بھی ایسا کہ میرے اشکوں نے اس کے تالاب بھر دیے
میری جان! رکھلی اور چندن میں تمیز کر
ان کی لکڑی ایک جیسی نہیں ہو سکتی۔
کائیرو کی لکڑی سے بھلا خوشبو کب آسکتی ہے؟
جنگلی مینا سبزہ زاروں میں
تمہارے ہی گیت گاتی ہے
اس کے برعکس یہ چھوٹی سی چڑیا
پینیچ کانی
لکڑی کے سوکھے بُرادے میں ملے گی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کیا ہوا جو موتی اور پوت کا رنگ ایک ہے
سنگریزہ تو سنگریزہ ہے اور کثرت سنگریزوں کی ہی ہے
طوطے اور نیل کرشن میں بہر حال فرق ہے۔

میرے دلدار اب آجا
تو آجائے تو تجھ پر اپنی جان نچھاور کردوں
کہ میں تیرے عشق سے پارہ پارہ ہوئی ہوں
اے مورکھ تو جان بوجھ کے غافل مت بن
تیرا قافلہ تجھ سے بہت دُور ہے
زندگی کی اس راہ میں تو بڑے بڑوں کے بھی
ہوش اڑ گئے
اور وہ دام میں گرفتار ہو گئے۔

صمد میرا اپنے عشق کی کیا سوغات پیش کرے
یہاں تو سارے کا سارا دفتر بھرا پڑا ہے
میں نے سیشن جج کی جگہ ابھی خالی دیکھی۔

(یہ گیت (وژن) اس کتاب میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کتابیات

کشمیری

۱۔ امین کامل — صوفی شاعری جلد ۳

۲۔ امین کامل، اختر محی الدین — سون ادب (ہمارا ادب) ۱۹۵۹ء

۳۔ شفیع شوق — کشمیری ادب کی تاریخ

۴۔ موتی لال ساقی — کلیات صمد میر

اُردو

۱۔ شیرازہ (ماہنامہ) مئی ۱۹۶۴ء

۲۔ سردار جعفری — کبیر بانی

انگریزی

1. Banki Behari - Sufis and mystics of India
2. Dr. Radhakrishnan - Upanishadas
3. Fathullah Mujtabai - Aspects of Hindu Muslim relationship
4. J.Spencer Trimingham - The Sufi orders in Islam
5. Wood Roffi - A garland of letters

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کشمیر کے صوفی شاعروں میں صمد میر ایک ایسے تہذیبی سنگم کا نام ہے جہاں بہت سارے طریقہ ہائے فکر، تصوّف، کشمیری شیومت اور ویدانت ایک ہو جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں باطن کی روشنی اور ظاہر کی طرح داری اور رنگ آمیزی ہے۔ باطنی شاعری کی جس سُریلی آواز کو لل دید نے جنم دیا اُس نے صمد میر تک پہنچتے پہنچتے ایک نیا ہی روپ پالیا۔ صمد میر کو زبان کے معاملے میں بڑی دولت نصیب ہوئی۔ انھوں نے دُور دراز علاقوں اور دیہات میں مروّج زبان کا بھرپور استعمال کیا ہے اور ایسا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اندرون کے شاعر ہونے کے باوجود ان کی شاعری میں عام زندگی کی بے راہ روی پر گہرا طنز ملتا ہے اور بعض نغموں اور کہانیوں پر شہر آشوب کا گمان ہوتا ہے۔

بیسویں صدی میں صوفی شاعری کے روشن چراغ صمد میر ہر دور میں ان لوگوں کو بہلاتے رہیں گے جنھیں اچھی شاعری عزیز ہے اور جو شاعری کے آئینہ خانے میں اندرون کو پہچاننا چاہتے ہوں۔ صمد میر کی وفات کو اگرچہ کم و بیش تیس ۳۰ سال کا عرصہ ہوا مگر ان کے صدا بہار نغموں کی صدائے بازگشت ان سارے علاقوں میں سنائی دیتی ہے جہاں کشمیری زبان بولی جاتی ہے۔

SAHITYA AKADEMI
REVISED PRICE Rs. 15-00

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri